آخرت کا سفر

مولانا سیّد جلال الدین عمریؒ

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی ۲۵

مطبوعات ہیومن ویلفیئر ٹرسٹ (رجسٹرڈ) نمبر ۱۷۰۵
© جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب : آخرت کا سفر
مصنف : مولانا سیّد جلال الدین عمریؒ
صفحات : ۶۴
اشاعت اوّل : نومبر ۲۰۲۳ء
تعداد : ۱۱۰۰
قیمت : -/۶۰ روپے
ناشر : مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز
ڈی ۳۰۷، دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵
فون: ۲۶۹۸۱۶۵۲ ، ۲۶۹۸۴۳۴۷
موبائل: 7290092401 واٹس ایپ: 7290092403
E-mail: mmipublishers@gmail.com
info@mmipublishers.net:
Website: www.mmipublishers.net
مطبوعہ : D.P. Printing & Binding, Okhla-I, N. Delhi-20

ISBN 978-81-19571-93-2

AAKHIRAT KA SAFAR (Urdu)
By: Maulana Sayed Jalaluddin Umari
Pages: 64
Price: ₹ 60.00

فہرست

پیش لفظ ۵
عزیزوں اور قرابت داروں کی رحلت (ایک مومن کا رویہ) ۷
عزیزوں کی رحلت ۷
اولاد کے انتقال پر صبر کا ثواب ۸
صدمہ پر رنج وغم فطری ہے ۱۰
شوہر کے انتقال کا صدمہ ۱۴
عدت کا حکم ۱۵
نوحہ اور ماتم کی ممانعت ۱۷
آخری سفر سے پہلے ۲۳
خوف ورجا کی کیفیت ۲۳
اللہ تعالیٰ سے حسن ظن ۲۵
حقوق کی ادائیگی اور ظلم وزیادتی کی تلافی ۲۶
ضروری امور کی وصیت ۲۸
محتضَر کے احکام ۳۰
لا الٰہ الا اللہ کی تلقین کی جائے ۳۰

قرآن پڑھا جائے ۳۴
کیا مرنے والے کو قبلہ رو کر دینا چاہیے؟ ۳۷
خویش واقارب کی ذمہ داری ۴۲
ہم دردی اور خیر خواہی کا رویہ اختیار کیا جائے ۴۲
صبر کیا جائے اور کلمات خیر زبان سے نکالے جائیں ۴۳
میت نجس نہیں ہے ۴۵
میت کا احترام کیا جائے ۴۶
میت کو چادر سے ڈھک دینا چاہیے ۴۷
عقیدت اور محبت سے میت کو بوسہ دینا جائز ہے ۴۸
تجہیز وتکفین میں جلدی کی جائے ۴۹
غسلِ میت ۵۱
غسلِ میت فرض ہے ۵۱
غسلِ میت کی حکمت ۵۳
غسلِ میت کی بعض تفصیلات ۵۳
تخت پر میت کو غسل دیا جائے ۵۴
خوشبو کا استعمال ۵۵
غسل کے وقت میت کی ستر پوشی ۵۶
پانی اور بیری کے پتوں کا استعمال ۵۹
تعزیت کی فضیلت ۶۳

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پیش لفظ

جس زمانے میں خاک سار 'صحت ومرض اور اسلامی تعلیمات'۔اور۔'اسلام اور مشکلات حیات' ترتیب دے رہا تھا ضمناً انسان کے دنیا سے رخصت ہونے سے متعلق مسائل پر بھی بعض مضامین لکھنے کا موقع ملا۔ان کی اشاعت ماہ نامہ الفرقان لکھنؤ اور زندگی نو نئی دہلی میں ہوئی تو بعض احباب نے اس سلسلے کو پسند فرمایا اور اسے آگے بڑھانے کا مشورہ دیا، لیکن یہ سلسلہ جاری نہ رہ سکا۔اب ان مضامین کو نظر ثانی اور حذف واضافہ کے بعد 'آخرت کا سفر' کے نام سے پیش کیا جارہا ہے۔اس لحاظ سے اسے مذکورہ کتابوں کا تسلسل سمجھنا چاہیے۔ان تینوں کا مطالعہ اس موضوع پر اسلامی تعلیمات کے سمجھنے میں معاون ہوسکتا ہے۔

غم کے موقع پر انسان بعض اوقات بے قابو ہوجاتا ہے اور غلط رویہ اختیار کرنے لگتا ہے۔ان مضامین میں واضح کیا گیا ہے کہ اس طرح کے نازک مواقع پر اسلام نے اسے راہِ اعتدال دکھائی ہے اور غیر معتدل رویہ سے بچایا ہے۔

اس موضوع پر سب سے جامع اور مبسوط کتاب شیخ ناصر الدین البانی کی 'احکام الجنائز' ہے۔جس وقت یہ مضامین لکھے جارہے تھے، یہ کتاب پیش نظر نہیں تھی۔اس لیے اس سے ممکن استفادہ نہ ہوسکا۔اس کتاب میں حدیث اور شرح حدیث کا رخ غالب ہے اور اس

خاک سار کے مضامین میں احادیث کے حوالہ کے ساتھ فقہی تفصیلات بھی موجود ہیں۔ ان مضامین میں بعض وہ مباحث بھی ہیں جو شیخ البانی کی کتاب میں موجود نہیں ہیں۔

اس موضوع کے تحت مریض کی عیادت کا بھی ذکر کیا جاتا ہے۔ اس پر عیادت کے احکام کے تحت، **صحت و مرض اور اسلامی تعلیمات**، میں تفصیل سے گفتگو ہے۔ اس لیے یہاں اسے حذف کر دیا گیا ہے۔

جلال الدین عمری
۱۴ رمئی ۲۰۲۲ء

عزیزوں اور قرابت داروں کی رحلت

(ایک مومن کا رویہ)

اس دنیا میں خوشی کے ساتھ غم بھی ہے اور راحت کے ساتھ تکلیف بھی۔ یہاں جانی نقصانات بھی ہوتے ہیں اور مال و دولت کا خسارہ بھی برداشت کرنا پڑتا ہے۔ خویش و اقارب اور دوست و احباب کی جدائی بھی دیکھنی پڑتی ہے۔ رنج و الم نے کس کا ساتھ چھوڑا ہے اور کس نے اس سے رست گاری پائی ہے۔ جو شخص تکلیفوں اور پریشانیوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھ کر صبر و سکون کا رویہ اختیار کرے اور جزع فزع سے اجتناب کرے، اسے جنت الفردوس کی بشارت دی گئی ہے اور ایک مومن کے لیے جنت سے بڑی اور کوئی بشارت نہیں ہو سکتی۔

عزیزوں کی رحلت

کسی بھی انسان کے لیے عزیزوں اور رشتے داروں کی رحلت ایک سانحہ ہے۔ بعض اوقات یہ سانحہ ناقابلِ برداشت ہو جاتا ہے اور آدمی جذبات میں غلط اقدامات بھی کر گزرتا ہے۔ اسلام نے اس طرح کے مواقع پر صبر و ثبات کی تعلیم دی ہے اور اس بات کی ہدایت کی ہے کہ ایک مومن کو ہر حال میں راضی برضائے الٰہی ہونا چاہیے اور اللہ تعالیٰ سے خیر ہی کی توقع رکھنی چاہیے۔

اولاد کے انتقال پر صبر کا ثواب

انسان کا اپنی اولاد سے بڑا ہی جذباتی تعلق ہوتا ہے۔ وہ اس سے شدید محبت کرتا، اسے پھلتا پھولتا اور ترقی کرتا دیکھنا چاہتا ہے۔ اس کی بہت سی توقعات اس سے وابستہ ہوتی ہیں۔ وہ اسے اپنا حقیقی وارث اور جانشین تصور کرتا ہے۔ اس لیے اولاد کا دنیا سے اٹھ جانا اس کے لیے بہت بڑا سانحہ ہوتا ہے۔ کم سن اولاد سے والدین کا تعلق کچھ زیادہ ہی ہوتا ہے۔ اولاد ان کی محتاج ہوتی ہے اور والدین ان کے بغیر سکون نہیں محسوس کرتے۔ اس لیے احادیث میں اولاد کی موت اور خاص طور پر کم عمر اولاد کی موت پر صبر کی بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ما من الناس من مسلم يتوفى له ثلاث لم يبلغوا الحنث إلا أدخله الله الجنة بفضل رحمته إياهم۔ [1]

"جس مسلمان کے تین نابالغ بچے وفات پا جائیں تو ان پر اپنے رحم و کرم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔"

حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے کہ کچھ عورتوں کی درخواست پر رسول اکرم ﷺ نے خاص ان کے لیے وعظ فرمایا۔ اس میں ارشاد ہوا:

أيما امرأة مات لها ثلاثة من الولد كانوا لها حجابا من النار۔

"جس عورت کے تین بچے مر جائیں تو وہ اس کے لیے جہنم سے حجاب بن جائیں گے۔"

اس پر ایک عورت نے سوال کیا کہ اگر کسی کے دو بچے مر جائیں تو کیا وہ بھی جہنم سے رکاوٹ بن جائیں گے۔ آپؐ نے فرمایا: ہاں، دو بچے بھی اس کے لیے جہنم سے رکاوٹ ہوں گے۔ [2]

---

[1] بخاری۔ کتاب الجنائز۔ باب فضل من مات لہ ولد فاحتسب

[2] بخاری، کتاب الجنائز، باب فضل من مات لہ ولد فاحتسب۔ مسلم، کتاب البر والصلۃ والادب، باب فضل من یموت لہ ولد فیحتسبہ۔

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی ثواب آپ نے ایک بچے کے انتقال پر صبر کا بتایا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

يقول الله تعالىٰ ما لعبدى المؤمن عندى جزاء إذا قبضت صفيه من أهل الدنيا ثم احتسبه إلا الجنة۔ [1]

"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے مومن بندے کی جزا اگر میں اس کے پیارے کو لے لوں اور وہ ثواب کی خاطر صبر کرے جنت کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتی۔"

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إن الله لا يرضى لعبده المؤمن إذا ذهب بصفيه من أهل الأرض فصبر واحتسب وقال ما أمر به بثواب دون الجنة۔ [2]

"بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندۂ مومن کے لیے جنت سے کم تر کسی ثواب سے خوش نہیں ہوتا جب وہ اس کے پیارے کو لے لے تو بندہ صبر کرے، اس سے اجر و ثواب طلب کرے اور اپنی زبان سے وہ کہے جس کا اس نے حکم دیا ہے۔ (یعنی انا للہ۔ الخ)"

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ جس نے تین نابالغ بچے اپنے آگے بھیجے (یعنی جن کا اس کی زندگی میں انتقال ہو گیا) تو وہ اس کے لیے جہنم سے حفاظت کے لیے مضبوط قلعہ ثابت ہوں گے۔ حضرت ابوذرؓ نے عرض کیا: میں نے دو بچے آگے بھیجے ہیں۔ آپ نے فرمایا: دو بچے بھی حفاظت کے لیے مضبوط قلعہ ہوں گے۔ حضرت ابی بن کعبؓ نے کہا: میرے ایک ہی بچہ کا انتقال ہوا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ایک بچہ بھی حفاظت کا ذریعہ ہوگا۔ لیکن ضرورت ہے کہ جس وقت صدمہ پہنچے، اس وقت صبر کیا جائے۔ [3]

---

[1] بخاری، کتاب الرقاق۔ باب العمل الذی یبتغی بہ وجہ اللہ۔

[2] نسائی، کتاب الجنائز، باب ثواب من صبر واحتسب۔

[3] ترمذی، ابواب الجنائز، باب ماجاء فی ثواب من قدم ولدا۔ ابن ماجہ، ابواب الجنائز۔ مرنے والے بچہ کے لیے #

حضرت معاذؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر مسلمان والدین کے تین بچے وفات پا جائیں تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان کو جنت میں داخل کرے گا۔ کسی نے کہا: اگر دو کا انتقال ہو تو؟ آپؐ نے فرمایا: دو کا انتقال ہو تو بھی۔ کسی نے کہا: اگر ایک کا انتقال ہو؟ آپؐ نے فرمایا: ایک کا انتقال ہو تو بھی جنت کا مستحق ہوگا۔ پھر فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جو حمل ساقط ہو جائے وہ بھی اپنی ماں کو اپنے نال کے ذریعے کھینچ کر جنت میں لے جائے گا۔ بہ شرطیکہ اجر و ثواب کی طلب میں وہ اس پر صبر کرے۔[1]

جنت ایک مومن کی تمناؤں کا مرکز ہے۔ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ اپنی کسی اولاد کے انتقال کو اللہ کا فیصلہ سمجھ کر صبر کرتا ہے اور اسی سے اجر و ثواب کا طالب ہوتا ہے تو اسے وہ جنت جیسی نعمت عطا کرتا ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اگر وہ ایک سے زیادہ بچوں کے سلسلے میں یہ صدمہ برداشت کرے اور جزع فزع نہ کرے تو اس کا اجر و ثواب کس قدر ہوگا اور جنت میں اسے کتنا اونچا مقام عطا کیا جائے گا۔

صدمہ پر رنج و غم فطری ہے

کسی بھی صدمے اور حادثے سے انسان کا متاثر ہونا بالکل فطری ہے۔ اس کے نتیجے میں چہرے پر رنج و غم کے آثار ظاہر ہونے لگیں، آنکھوں سے آنسو جاری ہو جائیں اور زبان سے اپنے صدمے کا اظہار بھی ہو جائے تو اسلام اسے غلط نہیں سمجھتا۔ اس لیے کہ یہ صبر و توکل کے منافی نہیں، بلکہ ایک فطری کیفیت ہے، جس کا از خود اظہار ہونے لگتا ہے۔ انسان اسے روک نہیں سکتا۔

رسول اکرم ﷺ کے ایک صاحب زادہ کا نام نامی ابراہیم تھا۔ ان کو مدینہ کے

حدیث میں فرط کا لفظ آیا ہے۔ اس کے معنیٰ پیش رو کے ہیں جو انتظامات کے لیے پہلے پہنچتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ جس کے کوئی بچہ نہ ہو اس کا پیش رو کون ہوگا؟ آپ نے فرمایا: میں اس کے لیے پیش رو ہوں گا۔ میری موت بھی ایک سانحہ ہے، اس سے بڑا سانحہ امت کے لیے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ ترمذی۔ ابواب الجنائز۔

[1] مسند احمد ۲۴۱/۵

کنارے رہنے والی ایک خاتون ام سیف دودھ پلاتی تھیں۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ انھیں دیکھنے کے لیے وہاں جایا کرتے تھے۔ ان کو گود میں لیتے اور پیار کرتے۔ ان کا بہت کم سنی میں وہیں انتقال ہو گیا۔ انتقال کے وقت آپ موجود تھے۔ آپ کے سامنے ان پر نزع کی کیفیت طاری تھی۔ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے (اسے غالباً صبر کے منافی سمجھا) فرمایا: آپ بھی رو رہے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: یہ رحم کی دلیل ہے۔ مزید ارشاد ہوا:

إن العين تدمع والقلب يحزن ولا نقول إلا ما يرضى ربنا وإنا بفراقك يا إبراهيم لمحزنون۔[1]

"آنکھ سے آنسو بہہ رہے ہیں۔ دل غمگین ہے، مگر ہم وہی کہیں گے جس سے ہمارا رب خوش ہو اور بلاشبہ اے ابراہیم! تمہاری جدائی کا ہمیں صدمہ ہے۔"

رسول اللہ ﷺ کی صاحب زادی حضرت زینبؓ کے بچہ پر نزع کی کیفیت طاری تھی۔ انھوں نے ایک شخص کے ذریعہ آپؐ کو بلوایا۔ آپؐ نے فرمایا: جاؤ اسے سلام کہو اور کہو کہ جو چیز اللہ تعالیٰ ہم سے لے لے وہ بھی اسی کی ہے اور جو چیز ہمیں وہ عطا کرے وہ بھی اسی کی ملک ہے۔ (اس میں وہ حسبِ مرضی تصرف کر سکتا ہے) ہر چیز کا اس کے نزدیک ایک متعین وقت ہے۔ کہو کہ صبر کرے اور اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کی امید رکھے۔ قاصد نے جب یہ پیغام حضرت زینبؓ تک پہنچایا تو انھوں نے قسم دلا کر کہا کہ آپ ضرور آئیں۔ آپؐ چند صحابہ کے ساتھ تشریف لے گئے۔ اس وقت بچہ کی سانس اکھڑ رہی تھی۔ آپؐ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ حضرت سعدؓ نے تعجب سے پوچھا: حضور! آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہیں؟ آپؐ نے جواب دیا:

هذه رحمة جعلها الله في قلوب عباده وإنما يرحم الله من عباده الرحماء۔[2]

[1] بخاری، کتاب الجنائز، باب قول النبیؐ انا بک لمحزون۔ مسلم، کتاب الفضائل، باب رحمۃ الصبیان۔
[2] بخاری، کتاب الجنائز، باب قول النبی یعذب المیت ببعض بکاء اھلہ۔ مسلم، کتاب الجنائز

"یہ تو رحمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے قلوب میں رکھ دی ہے۔ اللہ اپنے بندوں میں سے ان ہی پر رحم کرتا ہے جو رحم دل ہوتے ہیں۔"

غالباً اسی سلسلے کا ذکر ہے۔ حضرت ام ایمنؓ بھی رونے لگیں۔ آپؐ نے ان سے فرمایا: اللہ کے رسول (ﷺ) کے سامنے تم رو رہی ہو۔ انھوں نے جواب دیا۔ جب آپ رو رہے ہیں تو میں کیوں نہ روؤں؟ آپؐ نے فرمایا: انی لست ابکی ولکنها رحمة۔ یعنی میں ماتم نہیں کرتا اور چیختا چلاتا نہیں ہوں، بلکہ محبت اور ہمدردی کے نتیجے میں یہ آنسو نکل رہے ہیں۔ پھر فرمایا:

المؤمن بخير على كل حال تنزع نفسه من بين جنبيه وهو يحمد الله۔[1]

"مومن ہر حال میں خیر پر ہوتا ہے۔ اس کی جان اس کے پہلو سے نکالی جاتی ہے اور وہ اللہ عزوجل کی حمد کرتا ہے۔"

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جس وقت آپ کی صاحب زادی (غالباً حضرت ام کلثومؓ) کو دفن کیا جا رہا تھا۔ آپ قبر کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔[2]

رسول اللہ ﷺ بعض صحابہ کے ساتھ حضرت سعد بن عبادہؓ کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ ان پر غشی طاری تھی۔ آپؐ نے دریافت فرمایا۔ کیا انتقال ہو گیا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا: نہیں، آپ رونے لگے۔ آپ کو دیکھ کر صحابہ بھی رو پڑے۔ آپؐ نے فرمایا:

ألا تسمعون؟ إن الله لا يعذب بدمع العين ولا بحزن القلب ولكن يعذب بهذا (وأشار إلى لسانه) أو يرحم۔[3]

"کیا سن نہیں رہے ہو؟ اللہ تعالیٰ نہ تو آنکھ کے آنسو پر اور نہ دل کے درد و غم پر عذاب دیتا ہے۔ اپنی زبان مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: وہ تو اس سے جو الفاظ نکلتے ہیں، ان پر عذاب دیتا ہے یا رحم کرتا ہے۔"

---

[1] نسائی، کتاب الجنائز، باب البکاء علی المیت۔
[2] بخاری، کتاب الجنائز، باب قول النبیؐ یعذب المیت الخ۔
[3] مسلم، کتاب الجنائز۔

جابر بن عتیکؓ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن ثابتؓ بیمار تھے۔ رسول اللہ ﷺ عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ آپ نے آواز دی۔ انھوں نے جواب نہیں دیا۔ آپ نے انا للہ پڑھا اور فرمایا کہ اللہ کا فیصلہ ہماری خواہش پر غالب آ گیا۔ عورتوں نے چیخنا چلانا شروع کیا تو ابن عتیک انھیں خاموش کرنے لگے۔ آپؐ نے فرمایا: "انھیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔ البتہ جب انتقال ہو جائے تو کوئی رونے والی نہ روئے۔"[1]

اس حدیث میں کسی کے مرنے سے پہلے اور مرنے کے بعد اس پر رونے میں فرق کیا گیا ہے۔ اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ مرنے کے بعد رونا بالعموم ماتم اور نوحہ کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور یہ ناجائز ہے۔ ہاں فطری اور جائز حدود میں غم کا اظہار مرنے کے بعد بھی ہو سکتا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے گھر کے ایک فرد کا انتقال ہوا تو عورتیں جمع ہو کر رونے لگیں۔ حضرت عمرؓ انھیں منع کرنے اور وہاں سے ہٹانے لگے۔ آپؐ نے فرمایا:

دعهن يا عمر فإن العين دامعة والفؤاد مصاب والعهد قريب۔[2]

"عمر! انھیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ دل کو صدمہ پہنچا ہے۔ زخم تازہ ہے۔"

حضرت خالد بن ولیدؓ کا شام میں انتقال ہوا۔ مدینہ میں اس کی اطلاع ملنے پر ان کی چچازاد بہنیں جمع ہو کر رونے لگیں۔ حضرت عمرؓ سے کسی نے کہا کہ آپ انھیں اس سے منع کرائیے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا:

دعهن يبكين على أبي سليمان ما لم يكن نقع أو لقلقة۔[3]

---

[1] ابوداؤد، کتاب الجنائز، باب فضل من مات بالطاعون۔ نسائی، کتاب الجنائز، باب البکاء علی المیت۔
[2] مسند احمد ۲/ ۱۱۰۔ نسائی، کتاب الجنائز، باب الرخصة فی البکاء علی المیت۔
[3] رواہ البخاری تعلیقاً، کتاب الجنائز، باب ما یکرہ من النیاحة۔

"انھیں ابوسلیمان (خالدؓ) پر رونے دو جب تک کہ وہ سر پر خاک اڑاتی اور چیختی چلاتی نہیں ہیں۔"

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ شام سے زید بن حارثہؓ، جعفر بن ابی طالبؓ اور عبداللہ بن رواحہؓ کی جنگ موتہ میں شہادت کی خبر پہنچی تو رسول اللہ ﷺ مسجد میں بیٹھ گئے اور آپ کے چہرے سے غم واندوہ کے آثار نمایاں تھے اور میں دروازے کی جھریوں سے دیکھ رہی تھی۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ حضرت جعفرؓ کے گھر کی عورتیں رو رہی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: "جاؤ انھیں منع کرو۔ وہ گیا اور واپس آ کر کہا کہ عورتیں مان نہیں رہی ہیں۔ آپؐ نے دوبارہ اسے یہی ہدایت فرمائی کہ جاؤ اور انھیں منع کرو۔ وہ گیا اور پھر آ کر کہا کہ عورتیں اس کی بات نہیں مان رہی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: "جاؤ اور ان کے مونھوں میں خاک ڈال دو۔" حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے اس شخص سے کہا کہ اللہ تمھارا برا کرے۔ رسول اللہ ﷺ جو حکم دے رہے ہیں نہ تو اس کی ٹھیک سے تعمیل کر رہے ہو اور نہ خاموش ہوتے ہو۔ مسلسل آپ کو پریشان کیے چلے جا رہے ہو۔[1]

شوہر کے انتقال کا صدمہ

یہاں تک خویش واقارب کے انتقال سے متعلق ہدایات کا ذکر تھا۔ اب شوہر کے وفات کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

عورت کو شوہر سے جذباتی تعلق ہی نہیں ہوتا بلکہ اس کی زندگی کے حقیقی مسائل اس سے وابستہ ہوتے ہیں۔ اس مادی دنیا میں وہ اس کا سب سے بڑا سہارا ہوتا ہے۔ اس سہارے کا ختم ہو جانا اس کے لیے بڑا سانحہ ہے۔ اس کے بہت گہرے اثرات اس پر پڑتے ہیں اور اس کا درد و کرب وہ زیادہ محسوس کرتی ہے۔ جنگِ احد کے بعد حضرت حمنہ بن جحشؓ کو ان کے بھائی کی شہادت کی اطلاع دی گئی تو انھوں نے کہا: اللہ ان پر رحم فرمائے اور انا للہ پڑھا۔ جب ان سے کہا گیا کہ تمھارے شوہر بھی شہید ہو گئے تو کہا: "ہائے رے غم! یا ہائے رے جنگ!"

[1] بخاری، کتاب الجنائز، باب من جلس عند المصیبۃ۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إن للزوج من المرأة لشعبة ما هي لشيءٍ۔[1]

"عورت کے دل میں شوہر کے لیے جو جگہ ہوتی ہے وہ کسی بھی دوسرے شخص کے لیے نہیں ہوتی۔"

عدت کا حکم

قرآن نے شوہر کے انتقال پر عورت کے لیے چار ماہ دس دن کی عدت بیان کی ہے۔ یہ رنج وغم کے اظہار ہی کے لیے نہیں، بلکہ اس کی اور بھی حکمتیں ہیں۔ ایک حکمت یہ ہے کہ حمل ہو تو واضح ہو جائے۔ اس مدت کے بعد ہی اسے پیغام دیا بھی جا سکتا ہے اور وہ دوسری شادی بھی کر سکتی ہے۔ ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ○ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاۗءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۭ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ○ (البقرۃ: ۲۳۴-۲۳۵)

"اور جو لوگ تم میں سے وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑیں تو وہ بیویاں چار ماہ دس دن انتظار کریں۔ جب وہ اپنی مدت پوری کر لیں تو جو کچھ اپنے بارے میں دستور کے مطابق کریں، اس کا تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔ اور تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم عورتوں کے پیغام نکاح کی طرف اشارہ

[1] ابن ماجہ، ابواب الجنائز، باب ماجاء فی البکاء علی المیت۔

کرو، یا اسے اپنے دلوں میں چھپا کر رکھو۔ اللہ کو معلوم ہے کہ تم ان عورتوں سے ذکر کرو گے۔ لیکن ان سے نکاح کا وعدہ چپکے سے نہ کرو۔ یہاں دستور کے مطابق کوئی بات کہہ سکتے ہو۔ عقدِ نکاح کا عزم اس وقت تک نہ کرو جب تک کہ قانون اپنی مدت کو نہ پہنچ جائے اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے۔ اس سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ بخشنے والا اور بردبار ہے۔"

چار ماہ دس دن کی اس مدت میں عورت زیب وزینت اور بناؤ سنگار سے اجتناب کرے گی۔[1]

زینب بنت ابوسلمہ کہتی ہیں کہ ام المومنین ام حبیبہؓ نے اپنے والد حضرت سفیان کے انتقال کے تیسرے دن اپنے چہرے اور ہاتھ پر خوشبو استعمال کر کے فرمایا: مجھے اس کی کچھ حاجت نہیں تھی محض رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کی تعمیل میں ایسا کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

لایحل لإمرأة تومن بالله واليوم الآخر ان تحد على ميت فوق ثلاث الا على زوجها فانها تحدعليه اربعة اشهر وعشرا۔[2]

"جو عورت اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہے اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ سوائے شوہر کے کسی بھی مرنے والے پر تین دن سے زیادہ غم منائے۔ شوہر کا غم چار مہینہ دس دن تک منائے گی۔"

یہی زینب بنت ابوسلمہ کہتی ہیں کہ ام المومنین زینب بنت جحشؓ کے بھائی کا انتقال کے بعد ان کی خدمت میں گئی تو انھوں نے خوشبو استعمال کی اور فرمایا مجھے اس کی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے اسے اس لیے استعمال کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو منبر پر ارشاد فرماتے سنا ہے:

لا يحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر تحد على ميت

---

[1] حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے۔ شوہر کے انتقال کے فوراً بعد وضع حمل ہو جائے تو عدت ختم ہو جائے گی۔

[2] بخاری، کتاب الجنائز، باب حد المرأة علی غیر زوجہا۔ مسلم، کتاب الطلاق، باب وجوب الاحداد

فوق ثلاث إلا على زوج أربعة أشهر وعشرا۔[1]

"جو عورت اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہے اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ سوائے شوہر کے کسی بھی مرنے والے پر تین دن سے زیادہ سوگ منائے۔ سوائے شوہر کے کہ اس پر چار مہینہ دس دن سوگ منائے گی۔"

محمد بن سیرینؒ کہتے ہیں کہ حضرت ام عطیہؓ کے لڑکے کا انتقال ہوا تو انھوں نے تیسرے دن خوشبو منگوائی، اسے استعمال کیا اور فرمایا:

نهينا أن نحد أكثر من ثلاث إلا بزوج۔[2]

"ہمیں منع کیا گیا ہے کہ ہم سوائے شوہر کے کسی کے مرنے پر تین دن سے زیادہ کا غم منائیں۔"

نوحہ اور ماتم کی ممانعت

یہ وہ آخری حد ہے جس کی اسلام نے اجازت دی ہے۔ اس سے آگے نوحہ و ماتم کرنا، واویلا مچانا، کپڑے پھاڑ لینا، زبان سے غلط اور نامناسب الفاظ نکالنا سخت ناپسندیدہ بلکہ گناہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے۔ فرماتے ہیں:

ليس منا من لطم الخدود وشق الجيوب ودعا بدعوى الجاهلية۔[3]

"وہ شخص ہم میں سے نہیں جو (کسی کے انتقال پر) منہ پیٹ لے، گریبان پھاڑ لے اور دور جاہلیت کی باتیں زبان سے نکالے۔"

نوحہ و ماتم اس صبر و توکل کے منافی ہے جو ایک مومن کے اندر ہونا چاہیے اور اس بات

---

[1] بخاری، کتاب الجنائز، باب حد المرأة علی غیر زوجہا۔ مسلم، کتاب الطلاق، باب وجوب الاحداد

[2] بخاری، کتاب الجنائز، باب حد المرأة علی غیر زوجہا۔

[3] بخاری، کتاب الجنائز، باب لیس منا من شق الجیوب

کی علامت ہے کہ خدا پر یقین و ایمان کم زور ہے اور انسان دنیا اور اس کے تعلقات اور یہاں کے اسباب و وسائل کو سب کچھ سمجھ رہا ہے۔ احادیث میں نوحہ و ماتم سے صراحۃً منع کیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے صاحب زادے حضرت ابراہیمؓ کا انتقال ہوا تو حضرت اسامہ بن زیدؓ رونے لگے۔ اس پر آپؐ نے فرمایا:

لیس هذا منی ولیس بصائح حق القلب یحزن والعین تدمع ولا یغضب الرب۔[1]

"یہ میرا طریقہ نہیں ہے۔ چیخنے والا حق پر نہیں ہے۔ دل غم محسوس کرتا ہے۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور (اس پر) اللہ خفا نہیں ہوتا ہے۔"

عورتیں طبعاً رقیق القلب ہوتی ہیں۔ اس لیے ان سے بے صبری اور جزع فزع، گریہ و زاری کا اظہار نسبتاً زیادہ ہوتا ہے۔ احادیث میں خاص طور پر انھیں اس سے منع کیا گیا ہے۔ حضرت ام عطیہؓ کہتی ہیں:

إِنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم نَهَانَا عَنِ النِّيَاحَةِ۔[2]

"رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نوحہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔"

حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے:

لَعَنَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم النَّائِحَةَ وَالْمُسْتَمِعَةَ۔[3]

"رسول اللہ ﷺ نے نوحہ کرنے والی اور اسے سننے والی پر لعنت فرمائی ہے۔"

نوحہ کرنے والی کے ساتھ سننے والی پر بھی اس لیے لعنت بھیجی گئی ہے کہ وہ ایک غلط کام

[1] مستدرک حاکم ۱/ ۳۸۲

[2] ابوداؤد، کتاب الجنائز، باب فی النوح

[3] ابوداؤد، کتاب الجنائز، باب فی النوح۔ یہ روایت سنداً کم زور ہے لیکن دوسری روایت سے تائید ہوتی ہے۔

میں شریک ہے اور اس پر نکیر نہیں کر رہی ہے۔ کسی غلط کام پر سکوت بعض اوقات اس بات کی دلیل بن جاتا ہے کہ آدمی اسے صحیح سمجھتا اور پسند کرتا ہے۔ اس لیے اس طرح کی مجلسوں سے دور رہنا چاہیے اور ان پر تنقید کی جانی چاہیے۔

حضرت عبداللہ بن اوفیٰ کی ایک لڑکی کا انتقال ہوا تو عورتیں نوحہ و ماتم کرنے لگیں۔ انھوں نے اس سے منع کیا اور کہا:

إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْمَرَاثِي۔[1]

"رسول اللہ ﷺ نے میت کی خوبیاں بیان کر کر کے ماتم کرنے سے منع فرمایا۔"

رسول اللہ ﷺ عورتوں سے نوحہ نہ کرنے کی بیعت بھی لیتے تھے۔ قرآن مجید نے جن باتوں پر عورتوں سے بیعت لینے کا حکم دیا تھا ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ وہ معروف میں آپؐ کی اطاعت کریں گی اور آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی۔ یہ ایک عام حکم ہے، اس میں نوحہ کی ممانعت کو آپؐ نے خاص طور پر شامل فرمایا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ اسے کس قدر اہمیت دیتے تھے۔ حضرت ام عطیہؓ فرماتی ہیں:

أخذ علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم مع البيعة أن لا ننوح۔[2]

"رسول اللہ ﷺ نے بیعت کے ساتھ ہم سے یہ عہد بھی لیا تھا کہ ہم نوحہ نہیں کریں گی۔"

رسول اللہ ﷺ نے جن خواتین سے بیعت لی تھی ان میں سے ایک کا بیان ہے:

كان فيما أخذ علينا رسول الله صلى الله عليه و سلم فى المعروف الذى أخذ علينا أن لا نعصيه فيه أن لا نخمش وجها ولا ندعو ويلا ولا نشق جيبا وأن لا ننشر شعرا۔[3]

[1] مسند احمد: ۴/ ۳۵۶، ۳۸۷۔ ابن ماجہ میں واقعہ کا ذکر نہیں البتہ آں حضرت ﷺ کا ارشاد منقول ہے۔ کتاب الجنۃ۔

[2] مسلم، کتاب الجنائز

[3] ابوداؤد، کتاب الجنائز، باب فی النوح

"رسول اللہ ﷺ نے ہم سے نافرمانی نہ کرنے کا جو عہد لیا تھا اس میں یہ بھی تھا کہ ہم (کسی کے مرنے پر) منھ نہیں نوچیں گے۔ ہائے رے بربادی، ہائے ہائے تباہی جیسے الفاظ زبان سے نہیں نکالیں گے۔ گریبان نہیں چاک کریں گے اور بال نہیں بکھیریں گی۔"

عرب میں عورتیں مل کر نوحہ کرتی تھیں۔ کوئی عورت روتی اور ماتم کرتی تو دوسری اس کا ساتھ دیتی۔ پھر جب اس کے ہاں کوئی سانحہ پیش آتا تو پہلی عورت اس کے ماتم میں شریک ہوتی۔ اس طرح اس کا بدلہ چکانے کی کوشش کرتی۔ اسے 'اسعاد' کہا جاتا تھا۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں سے عہد لیا کہ نوحہ نہیں کریں گی۔ اس پر ان سے بعض نے دریافت کیا کہ کچھ عورتوں نے نوحہ کرنے میں ہمارا ساتھ دیا تھا۔ کیا اس کے بدلے میں ہم نوحہ کرنے میں ان کا ساتھ دے سکتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا:

لا إسعاد في الإسلام ۔[1]

"اسلام میں اسعاد (نوحہ میں ساتھ دینا) نہیں ہے۔"

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ جب ابوسلمہ کا انتقال ہوا تو میں نے کہا کہ وطن سے دور میں ان کا انتقال ہوا ہے۔ میں اس طرح روؤں گی کہ اسے یاد رکھا جائے گا۔ اس کے لیے تیاری کر لی تھی اور ماتم میں میرا ساتھ دینے کے لیے مدینہ کے کنارے سے ایک عورت بھی آ گئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا: "جس گھر سے اللہ تعالیٰ نے شیطان کو دو بار نکالا (غالباً ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت ابوسلمہ نے دو مرتبہ ہجرت کی تو دو بار ان کے گھر سے شیطان نکالا گیا) کیا اب پھر تم اسے وہاں داخل کرنا چاہتی ہو۔"[2]

نوحہ گر عورت اگر مرنے سے پہلے توبہ نہ کرے تو حدیث میں اسے سخت وعید سنائی گئی ہے۔ حضرت ابو مالک اشعریؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[1] نسائی، کتاب الجنائز، باب النیاحۃ علی المیت
[2] مسلم، کتاب الجنائز

النَّائِحَةُ إِذَا لَمْ تَتُبْ قَبْلَ مَوْتِهَا تُقَامُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَعَلَيْهَا سِرْبَالٌ مِنْ قَطِرَانٍ وَدِرْعٌ مِنْ جَرَبٍ۔[1]

"نوحہ کرنے والی عورت اپنے مرنے سے پہلے توبہ نہ کرے تو قیامت کے روز اسے اس طرح کھڑا کیا جائے گا کہ اس پر تارکول کا کرتا اور خارش کا لباس ہوگا۔"

خارش زدہ شخص سکون سے نہیں بیٹھ سکتا۔ تارکول کی خاصیت یہ ہے کہ وہ آگ جلد پکڑتا اور زیادہ دیر تک بھڑکتا ہے۔ جسم زخمی، اس پر تارکول اور پھر اسے آگ کا لگ جانا۔ اس کے تصور ہی سے روح کانپ جاتی ہے۔ اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ نوحہ گر عورت اپنے نوحہ و ماتم سے دلوں کو زخمی کرتی اور غم واندوہ کی آگ بھڑکاتی تھی اس لیے اس کا عذاب بھی اسی نوعیت کا ہوگا۔

مرنے والے کو اگر اس بات کا خطرہ ہو کہ اس کے بعد اس پر ماتم کیا جائے گا تو اس کی ذمہ داری ہے کہ اس سے منع کرے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ پر بیماری میں غشی طاری ہوگئی تو ان کی بیوی چیخنے چلانے لگیں۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو ہوش آیا تو کہا، کیا تمھیں نہیں معلوم کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

انا بريء ممن حلق وسلق وخرق۔

"میں اس شخص سے بری ہوں جو ماتم میں اپنا سر منڈوالے، چیخے چلائے اور کپڑے پھاڑ لے۔"

روایت میں آتا ہے کہ یہ حدیث پہلے سے وہ انھیں سنایا کرتے تھے۔

حکم بن قیس کہتے ہیں کہ قیس بن عاصم نے فرمایا کہ میرے انتقال کے بعد نوحہ نہ کرنا۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ پر نوحہ نہیں کیا گیا تھا۔

اس طرح کے خطرے کے باوجود مرنے والا اس سے منع نہ کرے یا اس کی مرضی سے نوحہ کیا جائے تو اس کا عذاب اس پر بھی ہوگا۔ چناں چہ بعض روایتوں میں آتا ہے:

إن الميت ليعذب ببعض بكاء أهله عليه ۔[2]

[1] مسلم، کتاب الایمان، باب التشدید فی النیاحۃ والبخاری بمعناہ۔ کتاب الجنائز
[2] نسائی، کتاب الجنائز، باب النیاح علی المیت۔

"میت کے گھر والے اس پر جو روتے ہیں اس میں رونے کی بعض نوعیتیں وہ ہوتی ہیں جن پر اسے عذاب دیا جاتا ہے۔"

امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ خود کو بھی اور اپنے گھر والوں کو بھی جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ تم میں سے ہر ایک نگراں ہے اور اس کی رعایا کے بارے میں اس سے پوچھا جائے گا۔ اس لیے اگر مرنے والے کے ہاں ماتم وغیرہ کا رواج تھا اور اس نے اس سے منع نہیں کیا تو وہ گناہ گار ہوگا۔ ہاں اگر اس سے منع کرنے کے باوجود ماتم کیا گیا تو وہ جواب دہ نہیں ہوگا۔[1]

تین دن سے زیادہ (سوائے شوہر کے) کسی کا غم منانا بھی جائز نہیں ہے۔ جنگ موتہ میں حضرت جعفر بن ابی طالبؓ شہید ہو گئے تھے۔ ان کی شہادت کی خبر مدینہ پہنچنے کے تین دن بعد رسول اللہ ﷺ نے ان کے گھر والوں کو رونے سے منع فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کہتے ہیں:

أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم أمهل آل جعفر ثلاثا أن يأتيهم ثم أتاهم فقال " لاتبكوا على أخي بعد اليوم"۔[2]

"نبی ﷺ نے حضرت جعفرؓ کے گھر والوں کو تین دن چھوڑے رکھا۔ پھر آپ ان کے گھر تشریف لے گئے اور فرمایا: آج کے بعد میرے بھائی پر مت روؤ۔"

---

[1] بخاری، کتاب الجنائز، باب قول النبیؐ یعذب المیت الخ۔

[2] ابوداؤد، کتاب الترجل، باب فی حلق الراس۔ نسائی، کتاب الزینۃ، باب حلق رؤس الصبیان۔

آخری سفر سے پہلے

یہ دنیا فانی ہے، یہاں کی راحتیں اور کلفتیں سب فانی ہیں۔ اس کے بعد ایک اور دنیا ہے۔ یہ ابدی ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ یہ آخرت کی دنیا ہے۔ یہاں جنت ہے اور اس کی بے پایاں نعمتیں ہیں۔ دوزخ اور اس کی ہول ناک اور ناقابلِ تصور سزائیں ہیں۔ اس حیاتِ فانی کے بعد انسان کو اسی ابدی زندگی میں داخل ہونا ہے۔ وہاں اس کے لیے یا تو دائمی سکون اور راحت ہے یا ہمیشہ کی تکلیف اور عذاب۔ ایک مومن کی پوری زندگی اسی آخرت کی تیاری میں بسر ہوتی ہے اور جب اس کا سفرِ آخرت قریب ہونے لگتا ہے تو اس کا اہتمام بھی بڑھ جاتا ہے۔ جو شخص اس لمبے سفر پر جا رہا ہو اسلام نے اسے بعض اہم ہدایات دی ہیں اور اس کے جو خویش اقارب اور دوست احباب پیچھے رہ جائیں، جو درحقیقت اسے رخصت کرنے والے ہوتے ہیں، انھیں بھی کچھ نصیحتیں کی ہیں۔ ذیل میں اسلام کی ان تعلیمات کو کسی قدر تفصیل سے پیش کیا جا رہا ہے۔

خوف ورجا کی کیفیت

انسان کی نظر جب اپنی کوتاہیوں اور غفلت پر پڑتی ہے تو وہ کانپنے لگتا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کی زد میں ہے، لیکن جب اس کی وسیع رحمت اور اس کے بے پایاں کرم کو دیکھتا ہے تو خوف کے بادل چھٹنے لگتے ہیں اور مغفرت اور رحمت کی توقع

ہونے لگتی ہے۔ امید وبیم کی یہ کیفیت ایمان کی علامت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو نہ تو اپنی عبادت اور اطاعت پر گھمنڈ ہے اور نہ اپنی غفلتوں کی وجہ سے وہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہے۔ وہ ایک بندۂ عاجز ہے جو اپنی سی کوشش کے باوجود اس سے آس لگائے اس کے در پر بیٹھا ہے۔ جو شخص اس کیفیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہو۔ حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنی مغفرت سے نوازے گا۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں، ایک جوان آدمی موت وزیست کی کش مکش میں تھا۔ رسول اللہ ﷺ اس کے پاس تشریف لے گئے۔ دریافت فرمایا: کیا محسوس کرتے ہو؟ مطلب یہ کہ اپنے انجام کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے؟ نوجوان نے عرض کیا:

لا يجتمعان فى قلب عبد فى مثل هذا الموطن إلا أعطاه الله ما يرجو وآمنه مما يخاف۔[1]

"جس کسی بندہ کے دل میں اس موقع پر یہ دو کیفیات جمع ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کی امید پوری کرتا ہے اور جس بات سے وہ ڈرتا ہے اسے اس سے محفوظ رکھتا ہے۔"

حضرت معاذ بن جبلؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو میں تمھیں بتاؤں قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کی اہلِ ایمان سے پہلی بات چیت کیا ہوگی؟ ہم لوگوں نے عرض کیا: ضرور ارشاد فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: وہ سب سے پہلے ان سے پوچھے گا کہ کیا مجھ سے ملاقات کرنے کو تمھارا جی چاہ رہا تھا؟ وہ عرض کریں گے: خدایا! یقیناً ہمارا جی چاہ رہا تھا۔ وہ دریافت فرمائے گا: ایسا کیوں تھا؟ وہ کہیں گے: اس لیے کہ تیرے عفو ومغفرت کی ہمیں امید تھی۔ ارشاد ہوگا: پھر تو میری مغفرت یقیناً تمھیں حاصل ہوگی (اور تم معاف کیے جاؤ گے)۔[2]

حقیقت یہ ہے کہ ایک مسلمان جہاں اللہ تعالیٰ کے خوف سے لرزہ براندام رہتا ہے وہیں اس کی رحمت کی توقع بھی رکھتا ہے۔ یہ حدیث بتاتی ہے کہ اس کی یہ توقع پوری ہوگی اور اللہ تعالیٰ اسے اپنے دامنِ مغفرت میں جگہ دے گا۔

[1] ترمذی، ابواب الجنائز۔ ابن ماجہ، ابواب الزہد، باب ذکر الموت والاستعداد
[2] رواہ فی شرح السنہ وابونعیم فی الحلیہ، مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الجنائز

اللہ تعالیٰ سے حسنِ ظن

بیم ورجا کی اس کیفیت کے ساتھ مرتے وقت اللہ تعالیٰ سے حسنِ ظن کا پہلو غالب ہونا چاہیے۔ حدیث میں آتا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ سے جو توقع رکھتا ہے اسے وہ پوری کرتا ہے۔ آدمی کو اپنی کم زوریوں اور کوتاہیوں کے باوجود یہ خیال کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات رحمان و رحیم اور غفار وستار ہے۔ وہ ہماری غلطیوں پر پردہ ڈالے گا اور اپنے انعامات سے نوازے گا۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

أنا عند ظن عبدى بى وأنا معه إذا ذكرنى۔[1]

"میرا بندہ میرے بارے میں جیسا گمان کرتا ہے میں اسی کے قریب ہوتا ہوں۔ میں اس کے پاس ہوتا ہوں جب وہ مجھے یاد کرتا ہے۔"

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے نبی ﷺ کو اپنی وفات سے تین دن پہلے یہ ارشاد فرماتے سنا:

لا يموتن أحدكم إلا وهو يحسن بالله الظن۔[2]

"تم میں سے کسی شخص کو بھی موت آئے تو اس حال میں آئے کہ وہ ضرور اللہ تعالیٰ سے حسنِ ظن رکھتا ہو۔"

حیان ابونصر کہتے ہیں کہ میں یزید بن الاسودؓ کی عیادت کے لیے چلا تو حضرت واثلہ بن اسقعؓ سے ملاقات ہوگئی۔ وہ بھی ان کی عیادت کے لیے تشریف لے جا رہے تھے۔ جب انھوں نے حضرت واثلہؓ کو دیکھا تو اپنا ہاتھ بڑھایا اور اشارہ کیا۔ حضرت واثلہؓ آگے بڑھے اور بیٹھ گئے۔ حضرت یزید بن الاسودؓ نے حضرت واثلہؓ کے دونوں ہاتھ پکڑ کر اپنے چہرے پر رکھ لیے۔

حضرت واثلہؓ نے ان سے پوچھا کہ آپ کا کیا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ کیا معاملہ کرے گا؟ انھوں نے جواب دیا: اللہ کی قسم! اللہ کے بارے میں مجھے حسنِ ظن ہے۔

[1] بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ ویحذرکم اللہ نفسہ۔ مسلم، کتاب الذکر۔
[2] مسلم، کتاب الجنۃ، باب الامر بحسن الظن باللہ تعالیٰ عند الموت۔

حضرت واثلہؓ نے کہا: تب تو آپ کے لیے بشارت ہے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے:

أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي، إِنْ ظَنَّ خَيْرًا فَلَهُ، وَإِنْ ظَنَّ شَرًّا فَلَهُ۔[1]

"میں اپنے بندے کے اس گمان کے پاس ہوتا ہوں جو وہ میرے بارے میں کرتا ہے۔ اگر وہ اچھا خیال کرے تو بھی اس کے لیے اور برا خیال کرے تو بھی اس کے لیے ہے۔"

اللہ تعالیٰ سے حسنِ ظن کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آدمی زندگی بھر من مانی کرتا پھرے اور اس کے خوف سے بے نیاز ہوکر سارے کام انجام دیتا رہے اور یہ توقع لگا بیٹھے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف کرکے اسے جنت الفردوس میں پہنچادے گا۔ یہ نادانی اور جہالت ہی نہیں، بلکہ اللہ کی جناب میں جسارت اور گستاخی بھی ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ انسان کا دل اللہ کی خشیت سے بھرا ہوا ہو اور وہ اس سے ڈر کر زندگی گزارے۔ جب مہلتِ حیات ختم ہورہی ہو تو یہ سمجھے کہ وہ جابر وظالم بادشاہ کے دربار میں نہیں، بلکہ رحیم وکریم آقا کی درگاہ میں حاضر ہورہا ہے اور اس کے بارے میں یہ حسنِ ظن رکھے کہ وہ اس کے ساتھ درشتی اور سختی کا نہیں، بلکہ لطف ومحبت کا معاملہ کرے گا۔

حقوق کی ادائیگی اور ظلم وزیادتی کی تلافی

انسان اس دنیا میں تنہا زندگی نہیں گزارتا۔ ہر شخص کے بہت سے انسانوں سے تعلقات ہوتے ہیں۔ جو شخص جتنا بڑا ہوتا ہے اس کے تعلقات کا دائرہ بھی اتنا ہی وسیع ہوتا ہے۔ ان تعلقات میں اس بات کا امکان ہے کہ اس نے کسی کے ساتھ زیادتی کی ہو، کبھی نہ کبھی اس سے کسی قسم کی حق تلفی اور زیادتی ہوئی ہو۔ مرنے سے پہلے انسان کو اس کی تلافی کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے، تاکہ وہ دنیا سے اس طرح جائے کہ نہ تو اس کی گردن پر کسی کا کوئی حق ہو اور نہ کوئی شخص اس کے ظلم وزیادتی کی فریاد کررہا ہو۔

[1] رواہ احمد وابن حبان فی صحیحہ والبیہقی (الترغیب والترہیب) ۱۳۶/۴

احادیث میں آتا ہے کہ اگر آدمی نے کسی کے ساتھ زبان درازی کی ہو، سب وشتم اور گالم گلوچ کیا ہو، یا اسے رسوا اور شرمندہ کیا ہو، اس کی خودداری اور عزتِ نفس کو ٹھیس پہنچائی ہو، یا اسے جسمانی اذیت دی ہو، زدوکوب کیا اور مارا پیٹا ہو، یا اس کے مال وجائیداد پر ناجائز قبضہ کرلیا ہو، یا کسی کا حق ادا کرنے میں غفلت اور کوتاہی ہوگئی ہو، یا کسی کی امانت میں خیانت کی ہو تو فوراً اس کی تلافی کی کوشش کرے اور اس سے معافی مانگے۔ ورنہ اس کی نیکیاں قیامت کے روز مظلوم کے نامۂ اعمال میں لکھ دی جائیں گی اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہیں ہوں گی تو مظلوم کے گناہ اس پر لاد دیے جائیں گے اور اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ اس سلسلے کی صرف ایک حدیث یہاں پیش کی جارہی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من كانت له مظلمة لأحد من عرضه أو شيءفليتحلله منه اليوم قبل أن لا يكون دينار ولا درهم إن كان له عمل صالح أخذ منه بقدر مظلمته وإن لم تكن له حسنات أخذ من سيئات صاحبه فحمل عليه۔[1]

"جس نے اپنے کسی بھائی پر ظلم کیا ہو۔ اس کا مال لے کر یا اور کسی معاملہ میں، تو اس کی طرف سے اپنے لیے حلال کرلے (اس کے ساتھ صلح صفائی اور معافی تلافی کی کوئی صورت نکالے تاکہ وہ اس کے لیے حلال ہوجائے) اس وقت کے آنے سے پہلے جب کہ (اس کے پاس) نہ کوئی دینار ہوگا اور نہ درہم۔ اگر اس کے پاس نیک اعمال ہوں گے تو اس کے ظلم کے بقدر وہ اس سے لے لیے جائیں گے اور مظلوم کو دے دیے جائیں گے اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہیں ہوں گی تو مظلوم کی برائیاں لے کر اس پر لاد دی جائیں گی۔"

حقوق العباد کی شریعت میں بڑی اہمیت ہے۔ ظلم وزیادتی یا دھوکا اور فریب سے ان حقوق کو غصب کرنا سنگین جرم ہے۔ ہوسکتا ہے کہ آج مظلوم کی کوئی سنوائی نہ ہو اور وہ حق وانصاف سے

[1] بخاری، کتاب المظالم، باب من کانت لہ مظلمۃ عند الرجل

محروم رہ جائے۔ لیکن کل قیامت کے روز جب وہ ظالم کے خلاف فریاد کرتے ہوئے اٹھے گا تو خدائے ذوالجلال اس کی دادرسی کے لیے موجود ہوگا۔ پھر ظالم سے اس طرح بدلہ لیا جائے گا کہ اس کی بے کسی اور بے بسی پر رحم کھانے والا بھی کوئی نہ ہوگا۔

ضروری امور کی وصیت

جس شخص کو کوئی وصیت کرنی ہو اسے اس میں کوئی تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ما حق امرئ مسلم له شيءٌ يوصى فيه يبيت ليلتين إلا ووصيته مكتوبة عنده ۔[1]

"کسی مسلمان کے لیے صحیح نہیں ہے کہ اس کے پاس کوئی ایسی چیز ہو جس کے بارے میں وہ وصیت کرنا چاہتا ہو اور وہ اپنے پاس وصیت لکھ کر رکھے بغیر دو راتیں بھی گزارے۔"

وصیت فرض اور واجب تو نہیں، لیکن بعض اوقات وہ ضروری ہو جاتی ہے۔ اگر انسان پر کسی کا حق ہو یا اس کے پاس کوئی امانت ہو یا اس کے کسی وعدے کی تکمیل نہ ہو سکی ہو یا کوئی قرض ادا کرنے سے رہ گیا ہو یا کسی کا وہ تعاون کرنا چاہتا ہو یا امورِ خیر میں صدقہ و خیرات کا ارادہ رکھتا ہو اور اس کا اسے موقع نہ ملا ہو تو اسے وصیت کرنی چاہیے۔ تاکہ اس کے بعد اس پر عمل ہو سکے اور کسی کا حق اس کی غفلت کی وجہ سے ضائع نہ ہونے پائے۔

وصیت ایک طرح کی پس ماندگان کے لیے نصیحت بھی ہے۔ آدمی کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو، عزیزوں اور چاہنے والوں کو اللہ اور رسول کے احکام کی اتباع کی تلقین کرے، ان کی معصیت اور نافرمانی سے منع کرے، انھیں بہتر اور مفید مشورے دے اور ان کے اندر کوئی خامی پائی جائے تو اس کی اصلاح کی طرف توجہ دلائے۔ یہ درحقیقت

[1] بخاری، کتاب الوصایا۔ مسلم۔ کتاب الوصیۃ۔

ان کے ساتھ نصیحت اور خیر خواہی ہے۔ آدمی اپنے آخری سفر پر روانہ ہونے سے پہلے جب یہ فرض انجام دیتا ہے تو اسی کو وصیت کہا جاتا ہے۔

وصیت کی اہمیت اس وقت بڑھ جاتی ہے جب کہ متعلقین کے بارے میں کسی غیر شرعی اور غیر اخلاقی اقدام کا اندیشہ ہو اور آدمی یہ محسوس کرے کہ اس کے بغیر وہ دین پر قائم نہ رہ سکیں گے، یا اس کے مال و جائداد میں، تجہیز و تکفین میں اور حقوق کی ادائیگی میں کتاب و سنت کی پابندی نہیں کریں گے، بلکہ ان کے خلاف ان کا عمل ہوگا۔ جہاں اس طرح کا اندیشہ ہو ایک سچے مومن کو لازماً تشویش ہوگی۔ اس تشویش کی بنا پر وہ جو وصیت کرے گا اس میں اس کا اخلاص اور سوز ہوگا، محبت اور ہم دردی ہوگی اور صلاح و فلاح کا جذبہ ہوگا، اس لیے امید ہے کہ اس کا اثر بھی ہوگا۔

محتضر کے احکام

'محتضر' (یعنی جس شخص پر نزع طاری ہو) کیا اسے کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ، محمد رسول اللہ کی تلقین ضروری ہے؟ اگر کوئی انسان مرتے وقت لا الٰہ الا اللہ نہ کہہ سکے تو اس کا کیا حکم ہے؟ کیا مرنے والے کے سامنے سورۂ یٰس یا قرآن کی کوئی اور سورت پڑھنا مستحب ہے؟ کیا مرنے والے کو قبلہ رخ کر دینا چاہیے؟

ذیل میں ان سوالات کے جوابات پیش کیے جا رہے ہیں۔

لا الٰہ الا اللہ کی تلقین کی جائے

اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے اور اس کا نام لیتے ہوئے اس دنیا سے جانا بہت بڑی سعادت ہے۔ اس شخص کو جنت کی خوش خبری دی گئی ہے جس کی زبان پر مرتے وقت لا الٰہ الا اللہ ہو اور اسی پر اس کا خاتمہ ہو جائے۔ حضرت معاذ بن جبلؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من كان آخر كلامه لا إله إلا الله دخل الجنة۔[1]

"جس شخص کا آخری کلام لا الٰہ الا اللہ ہو وہ جنت میں ضرور جائے گا۔"

لا الٰہ الا اللہ میں توحید کا اقرار بھی ہے اور شرک کا انکار اور تردید بھی۔ مرتے وقت اس کلمہ کا دل کی گہرائی سے ادا ہونا یہ معنی رکھتا ہے کہ انسان ہر طرح کے غلط عقائد اور باطل افکار سے

[1] ابوداؤد، کتاب الجنائز، باب فی التلقین۔

محفوظ ہے اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر رہا ہے۔ اس لیے حکم ہے کہ جو لوگ کسی کے انتقال کے وقت اس کے قریب ہوں وہ اسے اس پاک کلمہ کی تلقین کریں۔ حضرت ابوسعید خدریؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لقنوا موتاكم لا إله إلا الله۔[1]

"اپنے مرنے والوں کو لا الٰہ الا اللہ کی تلقین کرو۔"

حدیث کا مطلب ہے کہ انسان کو اس کے آخری وقت میں اس کلمہ کی یاددہانی کرائی جائے۔ تاکہ اس کا ذہن اس کی طرف منتقل ہو اور وہ اسے اپنی زبان سے ادا کر سکے۔ اسی کو 'تلقین' کہا جاتا ہے۔ علمائے کرام نے تلقین کو مندوب اور مستحسن کہا ہے۔[2]

جاں کنی اور نزع کی حالت بڑی سخت اور نازک ہوتی ہے۔ اس لیے پاس والوں کو کلمۂ طیبہ کی تلقین تو کرنی چاہیے، لیکن اس پر اصرار نہیں کرنا چاہیے کہ مریض اپنی زبان سے ضرور کلمۂ توحید ادا کر دے، ورنہ اس کا امکان ہے کہ تکلیف کی شدت کی وجہ سے وہ کسی قسم کی ناگواری محسوس کرے اور ناپسندیدہ اور غلط الفاظ اس کی زبان سے نکل پڑیں۔ اسی طرح اگر ایک مرتبہ وہ زبان سے کلمۂ توحید ادا کر دے تو بار بار اسے کہلوانے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ اس سے بھی وہ الجھن محسوس کر سکتا ہے۔ ہاں، اگر اس کے بعد وہ کوئی دنیوی بات کرے تو دوبارہ اسے یاددہانی کرا دی جائے، تاکہ خاتمہ اسی مبارک اور پاک کلمہ پر ہو۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں:

وقد كان يستحب أن يلقن المريض عند الموت قول لا إله إلا الله وقال بعض أهل العلم إذا قال ذلك مرة فما

[1] مسلم، کتاب الجنائز، باب تلقین الموتی

[2] امام نوویؒ فرماتے ہیں: تلقین کے مندوب ہونے پر علماء کا اجماع ہے۔ اس کی کثرت اور تکرار کو پسند کیا ہے، تاکہ جھنجھلاہٹ میں مرنے والے کی زبان سے کوئی غلط بات نہ نکلے۔ ہاں اگر اس نے کوئی اور بات کی ہے تو دوبارہ تلقین کی جانی چاہیے، تاکہ اس کا آخری کلام کلمۂ شہادت ہو۔ (شرح مسلم المجلد الثالث، الجزء السادس، ص ۱۹۴) ایک رائے یہ بھی ہے کہ تلقین واجب ہے۔ (ردالمحتار: ۱/۷۹۶) علامہ شوکانیؒ کا رجحان بھی اسی طرف ہے۔ (نیل الاوطار: ۴/۵۰)

لم يتكلم بعد ذلك فلا ينبغى أن يلقن ولا يكثر عليه فى هذا وروى عن ابن المبارك أنه لما حضرته الوفاة جعل رجلا يلقنه لا إله إلا الله وأكثر عليه فقال له عبد الله إذا قلت مرة فأنا على ذلك مالم أتكلم بكلام۔[1]

"یہ مستحب سمجھا جاتا تھا کہ مرتے وقت مریض کو لا الٰہ الا اللہ کی تلقین کی جائے۔ بعض اہلِ علم نے کہا ہے کہ مریض ایک مرتبہ لا الٰہ الا اللہ کہہ دے اور اس کے بعد کوئی اور بات چیت نہ کرے تو تلقین نہیں کی جانی چاہیے اور بار بار اس سے کہلوانا نہیں چاہیے۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے بارے میں روایت ہے کہ ان کی وفات کے وقت ایک شخص انھیں لا الٰہ الا اللہ کی تلقین کرنے لگا اور بار بار دہرانے لگا تو عبداللہ بن مبارکؒ نے فرمایا کہ جب میں نے ایک مرتبہ کہہ دیا تو (سمجھو) کہ میں اسی پر قائم ہوں جب تک کہ میں کوئی بات چیت نہ کروں۔"

حدیث میں صرف لا الٰہ الا اللہ کی تلقین کا ذکر ہے۔ محمد رسول اللہ کا ذکر نہیں ہے۔ حالاں کہ ایمان کے لیے لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ کا اقرار بھی ضروری ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں ایمان زیرِ بحث نہیں ہے۔ ایک مسلمان کلمہ کے دونوں اجزا کو مانتا ہی ہے۔ یہاں مقصود صرف یہ ہے کہ انسان اللہ کا ذکر کرتے ہوئے اس دنیا سے جائے۔ اسے ازسرِنو مسلمان نہیں بنایا جا رہا ہے۔

ایک بات یہ بھی کہی گئی ہے کہ بعض اوقات صرف لا الٰہ الا اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے، لیکن محمد رسول اللہ بھی وہاں مراد ہوتا ہے۔ اس لیے کہ یہ ایک ہی کلمہ کے دو اجزا ہیں۔ اسی وجہ سے بعض فقہا نے کہا ہے کہ شہادتین کی تلقین ہونی چاہیے۔[2]

آخری وقت میں اللہ تعالیٰ سے تعلق، اس پر توکل اور اعتماد اور ذکر و استغفار بھی بہت

[1] ترمذی، ابواب الجنائز، باب ماجاء فی تلقین المریض۔
[2] ردالمحتار علی الدر المختار: ۱/۷۹۶

بڑی سعادت ہے۔ یہ درحقیقت لا الٰہ الا اللہ کی تشریح اور تفسیر ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی زبانِ مبارک سے آخری کلمات جو ادا ہوئے وہ یہ تھے:

اللّٰهمّ فى الرفيق الأعلى ۔[1]

"اے اللہ! سب سے اونچی جگہ، جہاں تیرے نیک بندوں کی رفاقت حاصل ہو۔"

ایک اور روایت میں ہے۔ فرماتی ہیں: وفات سے پہلے آپ مجھ سے ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ اس وقت زبانِ مبارک سے جو الفاظ نکلے وہ میں نے کان لگا کر سنے۔ آپؐ نے فرمایا:

اللّٰهمّ اغفر لى وارحمنى والحقنى بالرفيق الاعلى۔

"اے اللہ! میری مغفرت فرما، مجھ پر رحم کر اور اونچی جگہ مجھے پہنچا دے۔"

ایک اور روایت میں ہے کہ انتقال کے وقت آواز بھاری ہوگئی۔ آپؐ نے فرمایا:

مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝ (النساء:۶۹)

"ان لوگوں کے ساتھ جن پر اللہ نے انعام کیا یعنی نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین کے ساتھ، ان کی رفاقت اچھی رفاقت ہے۔"

تکلیف اور بے چینی یا بے ہوشی کی وجہ سے یا اچانک موت آ جانے کی وجہ سے اگر کوئی شخص اللہ کا نام زبان سے نہ لے سکے، تو یہ اس بات کی علامت نہیں ہے کہ اس کا انتقال ایمان کی حالت میں نہیں ہوا ہے۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص کے دل میں ایمان ہے تو یہ اس کی نجات کے لیے کافی ہے۔ حضرت عثمانؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من مات وهو يعلم أن لا اله الا الله دخل الجنة۔[2]

"جو شخص یہ جانتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور اس کا اسی حال میں انتقال ہو جائے تو وہ جنت میں جائے گا۔"

[1] ملاحظہ ہو بخاری، کتاب المغازی، باب مامرض النبی ووفاتہ۔ مسلم، کتاب الفضائل، باب فضائل عائشہؓ۔
[2] اس سلسلے کی روایات کے لیے ملاحظہ ہو، مسلم، کتاب الایمان، باب الدلیل علی ان مات علی التوحید دخل الجنۃ۔

قرآن پڑھا جائے

مرنے والے کے پاس قرآن مجید پڑھنے کا بھی بعض روایتوں میں ذکر آتا ہے۔ اس سلسلے کی مشہور روایت وہ ہے جو حضرت معقل بن یسارؓ سے آتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اقرءُوا (یٰس) علی موتاکم۔[1]

"اپنے موتیٰ پر یٰسین پڑھو۔"

ایک تو یہ حدیث سنداً کم زور ہے اور دوسرے اس سلسلے میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ موتیٰ سے یہاں کیا مراد ہے؟ ابن حبانؒ کہتے ہیں کہ موتیٰ سے مراد وہ لوگ نہیں جو مر چکے، بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جو حالت نزع میں اور قریب المرگ ہیں۔ اس حدیث میں وہی بات کہی گئی ہے جو لقنوا موتاکم بلا الٰہ الا اللہ' میں ہے۔ (یعنی اپنے موتیٰ کو لا الٰہ الا اللہ کی تلقین کرو۔) [illegible] لا اللہ کی تلقین مرنے والے کو کی جائے گی نہ کہ اس شخص کو جو مر چکا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ [illegible]: وردہ المحب الطبری فی الاحکام وغیرہ وسلم فی التلقین۔[2] مطلب یہ [illegible] نے 'الاحکام' وغیرہ میں اس دلیل کو رد کر دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ ٹھیک ہے [illegible] کے پاس یٰسین پڑھی جائے، لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ مرنے کے [illegible] پڑھی جائے۔

[illegible] فرماتے ہیں:

والظاہر ان فی الاموات وتناولہ للحی المحتضر مجاز لا یصار الیہ الا لقرینۃ۔[3]

[illegible] باب القراءۃ عند المیت۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: واعلہ ابن القطان بالاضراب [illegible] قال ابی عثمانا وابیہ۔ دارقطنیؒ کہتے ہیں: ھذا حدیث ضعیف الاسناد [illegible] لا یصح فی الباب حدیث۔ تلخیص الحبیر: ۲/ ۱۰۴

"مردوں کے بارے میں تو یہ لفظ صریح ہے لیکن جو شخص زندہ ہے اور حالتِ نزع میں ہے اس کا اس لفظ میں شامل ہونا مجاز ہے۔ اس معنی میں اسے اسی وقت لیا جا سکتا ہے جب کہ کوئی قرینہ موجود ہو۔"

حقیقت یہ ہے کہ یہ حدیث اس معاملے میں بہت زیادہ صریح نہیں ہے کہ 'محتضر' کے پاس قرآن پڑھنا چاہیے۔ لیکن اس کی تائید ایک اور حدیث سے ہوتی ہے، جسے صاحب الفردوس نے حضرت ابودرداءؓ اور حضرت ابوذرؓ سے روایت کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَا مِنْ مَیِّتٍ یَمُوتُ فَیُقْرَأُ عِنْدَہُ یس، إِلَّا ھَوَّنَ اللّٰہُ عَلَیْہِ۔[1]

"جو شخص مر رہا ہو اس کے پاس یٰسین پڑھی جائے تو اللہ تعالیٰ موت کو اس کے لیے آسان کر دیتا ہے۔"

اس کے ساتھ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض صحابہ و تابعین کا اس پر عمل بھی تھا۔ امام شعبیؒ کہتے ہیں:

کانت الأنصار یستحبون أن یقرءُوا عند المیت سورۃ البقرۃ۔

"انصار اسے پسند کرتے تھے کہ میت کے پاس سورۂ بقرہ پڑھی جائے۔"

امام احمدؒ فرماتے ہیں:

کانت المشیخۃ یقولون: إذا قرأت یعنی یٰسین عند المیت خفف عنہ بھا۔

"مشائخ کہا کرتے تھے کہ جب یٰسین میت کے پاس پڑھی جاتی ہے تو اس کی وجہ سے جاں کنی کی تکلیف میں کمی آ جاتی ہے۔"

---

[1] تلخیص الحبیر۔

[2] اس میں اختلاف ہے کہ ان کو صحابیات کا شرف حاصل تھا یا نہیں۔

سعید بن منصور نے روایت کیا ہے کہ عفیف بن حارث[۲] کی موت کا وقت آیا تو جو لوگ قریب تھے ان سے انھوں نے دریافت کیا کہ کیا تم میں سے کوئی شخص سورۂ یٰسین پڑھ سکتا ہے؟ ایک شخص نے کہا: ہاں! پڑھ سکتا ہوں۔ انھوں نے کہا: "تم ٹھہر ٹھہر کر پڑھو اور دوسرے لوگ خاموش رہیں۔" وہ پڑھنے لگا۔ لوگ خاموش سنتے رہے۔ جب سورت ختم ہوئی تو ان کی روح پرواز کر گئی۔

اسد بن وادعہ کہ جس شخص کو نزع کی تکلیف ہو تو اس کے پاس یٰسین پڑھی جائے۔ اس سے آسانی سے روح قبض ہوگی۔ ابوشعثا جابر بن یزید کہتے ہیں سورۂ رعد کے پڑھنے سے روح کو نکلنے میں آسانی ہوتی ہے۔[۱]

فقہاء میں امام مالکؒ نے مرنے والے کے پاس قرآن مجید پڑھنے کو مکروہ قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ صحابہ و تابعین کا اس پر عمل نہیں رہا ہے، لیکن مالکیہ میں ابن حبیب نے اسے جائز کہا ہے۔[۲]

اوپر کے واقعات کے بارے میں وثوق کے ساتھ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ وہ سب مستند طریقے سے مروی ہیں، لیکن ان سب سے یہ اعتماد ضرور حاصل ہوتا ہے کہ سلف کا اس پر عمل تھا اور پھر امام مالکؒ کے سوا دوسرے فقہاء نے اسے جائز اور مستحسن قرار دیا ہے۔

مرنے والے کو لا الٰہ الا اللہ کی تلقین، اس کے سامنے یٰسین یا قرآن کے کسی اور حصہ کی تلاوت کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف اس کا رجوع ہو، توبہ و استغفار کرے اور آخرت میں اس کی زبان پر اللہ کا نام اور اس کا ذکر رہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے بقول مرنے والے کے ساتھ یہ بہت بڑا احسان ہے۔ فرماتے ہیں:

هذا غاية الإحسان بالمحتضر بحسب صلاح معاده وإنما خص لا اله إلا الله لأنه أفضل الذكر مشتمل

۱ ملاحظہ ہو تلخیص الحبیر: ۲/ ۱۰۴۔ نیز المغنی لابن قدامہ: ۲/ ۳۰۵-۳۰۶

۲ المدخل لابن الحاج: ۳/ ۲۲۹

على التوحيد ونفى الإشراك وانوه أذكار الإسلام ويٰسين لأنه قلب القرآن وسياتيك ولأنه مقدار صالح للعظة۔[۱]

"جس شخص پر نزع طاری ہو اس کی آخرت کی صلاح و فلاح کے پہلو سے یہ اس کے ساتھ انتہائی احسان ہے۔ لا الٰہ الا اللہ کو مخصوص اس لیے کیا گیا ہے کہ وہ سب سے افضل ذکر ہے جو توحید اور نفی شرک پر مشتمل ہے اور اسلامی اذکار میں سب سے ارفع و اعلیٰ ہے۔ یٰسین تو قرآن کا دل ہے۔ (اس کا ذکر مناسبت سے جلد آئے گا) اس لیے بھی اس سورہ کا ذکر کیا گیا ہے کہ نصیحت کے لیے یہ قرآن کی مناسب مقدار ہے۔"

کیا مرنے والے کو قبلہ رو کر دینا چاہیے؟

علامہ ابن رشدؒ لکھتے ہیں:

واختلفوا فى استحباب توجيهه إلى القبلة فرأى ذالك قوم ولم يره آخرون و روى عن مالك أنه قال فى التوجيه ماهو من الأمر القديم و روى عن سعيد بن المسيب إنه أنكر ذالك ولم يرو ذالك أحد من الصحابة ولامن التابعين أعنى الأمر بالتوجيه۔[۲]

"اس بات میں اختلاف رہا ہے کہ مرنے والے کو قبلہ رخ کرنا مستحب ہے یا نہیں؟ کچھ لوگوں نے اسے مستحب کہا ہے اور کچھ لوگوں نے اسے مستحب نہیں مانا ہے۔ امام مالکؒ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ قدیم (اور صحابہ و تابعین) میں اس پر عمل نہیں تھا۔ حضرت سعید بن مسیبؒ کے بارے میں آتا ہے کہ انھوں نے اسے ناپسند کیا۔ میت کو قبلہ رخ کرنا نہ تو کسی صحابہ سے مروی ہے اور نہ ہی تابعین سے۔"

۱ حجۃ اللہ البالغۃ: ۲/ ۳۵

۲ بدایۃ المجتہد: ۲/ ۱۱۸

اس میں شک نہیں کہ امام مالکؒ اور حضرت سعید بن مسیبؒ کی یہی رائے بیان کی جاتی ہے کہ وہ اسے ناپسند کرتے تھے کہ مرنے والے کو قبلہ رخ کیا جائے۔ لیکن یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے کہ صحابہ و تابعین میں سے کسی سے یہ مروی نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن ابوقتادہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو براء بن معرورؓ کے بارے میں دریافت فرمایا۔ لوگوں نے عرض کیا ان کا انتقال ہوگیا۔ انھوں نے ایک تہائی مال کی آپ کو وصیت کی تھی اور یہ بھی وصیت کی تھی کہ نزع کے وقت ان کو قبلہ رخ کر دیا جائے۔ آپؐ نے فرمایا: أصاب الفطرة (انھوں نے فطرت کو پالیا)۔ میں ان کا ایک تہائی مال ان کے بچوں کو واپس دے رہا ہوں۔ پھر آپ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور دعا فرمائی: اللهم اغفر له وارحمه وأدخله جنتك۔ (اے اللہ ان کی مغفرت کر، ان پر رحم فرما اور انھیں اپنی جنت میں داخل فرما)۔[1]

امام حاکمؒ فرماتے ہیں:

هذا حديث صحيح فقد احتج البخاري بنعيم بن حماد واحتج مسلم بن الحجاج بالدراوردي و لم يخرجا هذا الحديث ولا أعلم في توجه المحتضر إلى القبلة غير هذا الحديث۔[2]

"یہ حدیث صحیح ہے... اور محتضر کو قبلہ رخ کرنے کے سلسلے میں اس کے علاوہ اور کسی حدیث سے میں واقف نہیں ہوں۔"

حضرت ابورافعؓ کی بیوی سلمیٰ بیان کرتی ہیں کہ جس مرض میں حضرت فاطمہؓ کا انتقال ہوا، میں ان کی تیمارداری کر رہی تھی۔ ایک روز صبح وہ اچھی حالت میں اٹھیں۔ حضرت علیؓ کسی ضرورت سے باہر گئے ہوئے تھے۔ حضرت فاطمہؓ نے مجھ سے کہا: اماں! میں غسل کروں گی۔ مجھ

---

[1] بیہقی، السنن الکبریٰ: ۳/ ۳۸۴

[2] حاکم، المستدرک: ۱/ ۵۰۵، حدیث نمبر ۱۳۰۵

پر پانی ڈالیے۔ چناں چہ انھوں نے بہت ہی اچھی طرح جیسے کہ ان کو غسل کرتے ہوئے اس سے پہلے میں نے دیکھا تھا، غسل کیا۔ پھر کہا: اماں! میرے نئے کپڑے لائیے۔ میں نے کپڑے دیے تو پہن لیے۔ اس کے بعد کہا: اماں! مکان کے بیچ میں میرا بستر بچھا دیجیے۔ میں نے بستر بچھایا تو وہ لیٹ گئیں۔ قبلہ رخ ہوگئیں۔ اپنا ہاتھ رخسار کے نیچے رکھ لیا۔ پھر فرمایا: اماں! اب میری روح قبض ہونے والی ہے۔ اب میں پاک صاف ہو چکی ہوں۔ میرے اوپر سے کوئی چادر نہ ہٹائے۔ چناں چہ اسی جگہ ان کا انتقال ہوگیا۔[1]

ایک اور روایت سے بھی اس سلسلے میں استدلال کیا جاتا ہے۔ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کبائر کیا ہیں؟ آپ نے اسے جو کبائر بتائے ان میں ایک یہ بھی تھا:

واستحلال البيت الحرام قبلتكم أحياءً وأمواتا۔[2]

"بیت الحرام کو حلال کر لینا، جو زندگی اور موت دونوں حالتوں میں تمھارا قبلہ ہے۔"

یہ حدیث سنداً کم زور ہے۔[3] اس سے قطع نظر امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص پر نزع طاری ہو اس کے قبلہ رخ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں اسے قبلہ رخ ہونا چاہیے۔ مُردوں کے لیے قبلہ رخ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ لحد میں ان کو قبلہ رو کیا جائے۔ جو شخص نزع کی حالت میں ہے وہ زندہ ہے اور نماز نہیں پڑھ رہا ہے۔ اس لیے حدیث کا اطلاق اس پر نہیں ہوتا۔ ورنہ یہ ماننا پڑے گا کہ یہ حکم نماز کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ زندہ آدمی کو ہمیشہ قبلہ رخ ہونا چاہیے۔ یہ بات اجماع کے خلاف ہوگی۔[4]

اس کے مفہوم میں یہ بات بھی داخل سمجھی جا سکتی ہے کہ تدفین سے پہلے بھی میت کو قبلہ

---

[1] اس حدیث کو امام احمدؒ نے اور بعض دیگر محدثین نے روایت کیا ہے، لیکن اس کی سب ہی سندیں کم زور ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ زیلعی، نصب الرایہ: ۲/ ۲۵۰

[2] ابوداؤد، کتاب الوصایا، باب ماجاء فی التشدید فی اکل مال الیتیم۔

[3] تلخیص الحبیر: ۲/ ۱۰۲

[4] نیل الاوطار: ۴/ ۵۰

رخ کر دینا چاہیے۔ اس پر وہ اعتراض وارد نہیں ہوتا جو امام شوکانیؒ نے کیا ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ اس مسئلے کے ذیل میں فرماتے ہیں:

عطاؒ، نخعیؒ، مالکؒ، اہل مدینہ، اوزاعیؒ، اہل شام اور اسحٰقؒ نے اس بات کو مستحب قرار دیا ہے کہ محتضر کو قبلہ رخ کیا جائے۔ حضرت سعد بن مسیبؒ نے اسے ناپسند قرار دیا ہے۔ چناں چہ انتقال کے وقت لوگوں نے ان کو قبلہ رخ کرنا چاہا تو انھوں نے پوچھا: آپ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ لوگوں نے کہا: ہم قبلہ کی طرف رخ کر رہے ہیں۔ انھوں نے کہا: کیا میں اس سے پہلے قبلہ کی طرف نہیں تھا؟ صحیح بات یہ ہے کہ یہ مستحب ہے۔ اس لیے کہ حضرت حذیفہؓ نے قبلہ رخ کرنے کے لیے فرمایا اور پھر خود حضرت سعید بن مسیبؒ کے ساتھ لوگوں کا عمل بتا رہا ہے کہ وہ ان کے درمیان مشہور تھا اور وہ مرنے والوں کے ساتھ اسی طرح کرتے تھے۔[1]

فقہ حنفی میں قبلہ رو کرنے کی شکل اس طرح بیان کی گئی ہے:

إذا احتضر الرجل وجه إلى القبلة على شقه الايمن اعتبارا بحال الوضع فى القبر والمختار فى بلادنا الاستلقاء لانه أيسر والاول هو السنة۔[2]

"جب آدمی پر نزع طاری ہو تو اسے قبلہ کی طرف دائیں کروٹ کر دیا جائے گا۔ جیسے قبر میں رکھا جاتا ہے۔ ہمارے علاقوں میں چت لٹانے کو پسند کیا جاتا ہے اس لیے کہ اس میں آسانی ہے، لیکن دائیں کروٹ لٹانا سنت ہے۔"

مرنے والے کو جہاں تک قبلہ رخ کرنے کا سوال ہے اس پر تفصیل سے بحث ہو چکی ہے لیکن اس کی جس خاص شکل کو یہاں سنت کہا گیا ہے اس کے بارے میں علامہ زیلعیؒ فرماتے ہیں:

لم اجد له شاهداً

---

[1] المغنی: ۳۰۶/۲

[2] ہدایہ

"اس کے ثبوت میں مجھے کوئی حدیث نہیں ملی۔"

فرماتے ہیں، البتہ ان احادیث سے اس کی تائید ہوتی ہے، جن میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سوتے تو دائیں کروٹ سوتے اور رخسار مبارک کے نیچے اپنا دایاں ہاتھ رکھ لیتے۔ (یہ حدیثیں صحیح ہیں۔)[1]

حضرت ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ مرنے والے کو قبلہ رخ کیا جائے گا۔ حضرت عطاء بن رباحؒ سے بھی اسی قسم کا قول منقول ہے۔ اس میں یہ اضافہ بھی ہے:

على شقه الايمن ماعلمت احدًا تركه من ميته۔[2]

"اس کے دائیں پہلو پر لٹایا جائے گا۔ مجھے نہیں معلوم کہ سلف میں سے کسی نے اپنی میت کے ساتھ ایسا نہ کیا ہو۔"

چت لٹانے سے مرنے والے کی آنکھیں اور منہ بند کرنے اور ہاتھ پیر سیدھا کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے فقہاء نے اسے اختیار کیا ہے۔[3] جب مرنے والے کو دائیں پہلو پر لٹانا صحیح احادیث سے ثابت نہیں ہے تو بہتر یہی ہے کہ اسے چت لٹایا جائے۔

---

[1] نصب الرایہ: ۲۴۹/۲

[2] حوالہ سابق: ص ۲۵۳

[3] ردالمحتار علی الدر المختار: ۷۹۵/۱

خویش واقارب کی ذمہ داری

جوشخص اس دنیا سے آخرت کے سفر پر جارہا ہو اس کے خویش واقارب یا جو لوگ بھی اس کے قریب ہوں ان کی دینی واخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ اسے صبر وسکون کے ساتھ اچھی طرح رخصت کریں، لطف ومحبت اور ہم دردی کا رویہ اپنائیں اور اس سے غلط اور ناجائز فائدہ اٹھانے کی جگہ اس کی آخرت کی فکر کریں۔ اس سلسلے میں اسلام نے جس اخلاق، محبت، خلوص اور ہم دردی وغم خواری کی تعلیم دی ہے وہ مذاہب کی پوری تاریخ میں بے مثال ہے۔ ذیل میں اس کی تھوڑی سی تفصیل دی جارہی ہے۔

ہم دردی اور خیر خواہی کا رویہ اختیار کیا جائے

حضرت ابوسعید خدریؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لقنوا موتاكم لا إله الا الله۔[1]

"اپنے مرنے والوں کو لا الٰہ الا اللہ کی تلقین کرو۔"

اس حدیث کے ذیل میں امام نوویؒ فرماتے ہیں:

"حدیث کے حکم میں یہ بات بھی داخل ہے کہ مرنے والے کو تنہا نہ چھوڑ دیا جائے، بلکہ

[1] مسلم، کتاب الجنائز

لوگ اس کے قریب رہیں تاکہ اسے تذکیر اور یاددہانی کرائیں، اس کی آنکھیں بند کریں اور اس کے دوسرے حقوق ادا کریں اور ان کی وجہ سے اسے سکون محسوس ہو۔ اس پر سب ہی کا اتفاق ہے۔"[1]

علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ فرماتے ہیں:

"مرنے والے کے پاس ایسے شخص کا ہونا پسندیدہ ہے جو اس کا سب سے زیادہ ہم درد، اس کے مزاج سے سب سے زیادہ باخبر اور سب سے زیادہ خدا ترس ہو، تاکہ اسے وہ اللہ تعالیٰ کی یاد دلائے، معاصی سے توبہ کرنے، کسی پر ظلم کیا ہو تو اس کی تلافی کرنے اور کوئی وصیت کی ہو تو اسے پوری کرنے کی تلقین کرے اور جب دیکھے کہ اس کا آخری وقت بالکل قریب آ گیا ہے تو اس کی دیکھ بھال کرے، پانی یا کسی اور مشروب کے قطرے حلق میں ڈالتا اور گیلی روئی سے اس کے ہونٹ تر کرتا رہے۔"[2]

صبر کیا جائے اور کلماتِ خیر زبان سے نکالے جائیں

کسی شخص کو خاص طور پر اگر وہ قریبی عزیز ہو تو جاں کنی کی تکلیف دیکھ کر اور سوچ کر کہ اب وہ چند لمحوں میں ہم سے جدا ہونے والا ہے، فطری طور پر دل بھر آتا ہے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ یہ چیز ناپسندیدہ اور مذموم نہیں ہے، البتہ اسے اپنی تباہی اور بربادی کا سبب جاننا، واویلا کرنا، نامناسب اور قابل احتراز الفاظ کا زبان سے نکالنا، صبر اور توکل کے منافی ہے۔ اس سے منع کیا گیا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ اس وقت میت کے حق میں دعائے مغفرت کرنی چاہیے اور اس سلسلے میں کلماتِ خیر زبان سے نکالنا چاہیے۔ اس لیے کہ انسان جو

[1] شرح مسلم: المجلد الثالث، الجزء السادس، ص ۱۹۴۔ ابونعیم کی ایک روایت میں ہے: احضروا موتاكم (اپنے مرنے والوں کے پاس موجود رہو۔) علامہ زیلعیؒ نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد کوئی جرح نہیں کی ہے۔ نصب الرایۃ: ۲/ ۲۵۴

[2] المغنی: ۲/ ۳۰۴

دعا کرتا ہے اس پر فرشتے آمین کہتے ہیں۔ حضرت شداد بن اوسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إذا حضرتم موتاكم فأغمضوا البصر۔ فإن البصر يتبع الروح۔ وقولوا خيرا۔ فإن الملائكة تؤمن على ما قال أهل البيت۔[1]

"جب تم اپنے لوگوں کے پاس موجود رہو جو حالت نزع میں ہوں تو ان کی آنکھیں بند کردو اس لیے کہ آنکھیں (روح جب پرواز کرتی ہے تو) اس کا پیچھا کرتی ہیں اور زبان سے اچھے الفاظ نکالو۔ کیوں کہ میت کے لوگ جو کچھ کہتے ہیں اس پر فرشتے آمین کہتے ہیں۔"

حضرت ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إذا حضرتم المريض أو الميت فقولوا خيرا فإن الملائكة يؤمنون على ما تقولون۔[2]

"جب تم مریض کے پاس موجود رہو تو اچھے کلمات کہو۔ اس لیے کہ تم جو کچھ کہتے ہو فرشتے اس پر آمین کہتے ہیں۔"

فرماتی ہیں۔ حضرت ابوسلمہؓ کا آخری وقت تھا۔ لوگ زور زور سے اور چیخ کر رونے لگے تو آپؐ نے فرمایا:

لا تدعوا على أنفسكم إلا بخير؛ فإن الملائكة يؤمنون على ما تقولون۔

"اپنے حق میں بددعا مت کرو۔ صرف کلمات خیر تمہاری زبان سے ادا ہوں۔ اس لیے کہ تم جو کچھ کہتے ہو فرشتے اس پر آمین کہتے ہیں۔"

---

[1] ابن ماجہ، ابواب الجنائز، باب ماجاء فی تغمیض المیت۔

[2] مسلم، کتاب الجنائز

اس کے بعد یہ دعا فرمائی:

اللهم اغفر لأبي سلمة وارفع درجته في المهديين واخلفه في عقبه في الغابرين واغفر لنا وله يا رب العالمين وافسح له في قبره ونور له فيه۔[1]

"اے اللہ! ابوسلمہ کی مغفرت فرما۔ ہدایت یافتہ لوگوں میں ان کا درجہ بلند کر۔ پس ماندگان کو ان کا بہترین جانشین عطا فرما۔ اے رب العالمین ہماری اور ان کی مغفرت فرما۔ ان کی قبر کو کشادہ کردے اور اسے نور سے بھر دے۔"

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ ایام جاہلیت میں لوگ ایسے وقت میں اپنے اوپر بددعائیں کرتے تھے۔ اس میں اس بات کا امکان ہوتا ہے کہ یہ قبولیتِ دعا کا وقت ہو اور جو دعا کی جارہی ہو وہ قبول کرلی جائے۔ اس لیے انھیں اس کا ایک بہتر بدل بتایا گیا۔ یہ دعا صدمہ کے شروع ہی میں ہونی چاہیے، تاکہ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کا وسیلہ بن جائے۔[2]

میت نجس نہیں ہے

ایک انسان کو دوسرے انسان سے جو محبت، ہمدردی اور تعلق ہوتا ہے، وہ اصلاً اس کے جسم سے نہیں، بلکہ اس کی روح سے ہوتا ہے۔ روح کے پرواز کرجانے کے بعد بے جان اور مردہ جسم سے یہی نہیں کہ یہ تعلق باقی نہیں رہتا، بلکہ اس سے انقباض اور کراہت محسوس کی جاتی ہے۔ بعض لوگ اس کے قریب ہوتے ہوئے بھی خوف کھاتے اور گھبراتے ہیں۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ایک انسان کے ساتھ اس کی زندگی میں جس محبت، تہذیب اور شائستگی کا رویہ اختیار کیا جاتا ہے، اس کے مرنے کے بعد اس کے بے جان جسم کے ساتھ بھی یہی رویہ اختیار کیا جائے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلی بات اس نے یہ بتائی کہ مومن کا جسم اصلاً نجس اور ناپاک نہیں ہوتا۔ چنانچہ

---

[1] مسلم کتاب الجنائز

[2] حجۃ اللہ البالغۃ: ۲/۳۵

رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر حضرت ابوہریرہؓ سے فرمایا:

سبحان اللہ! إن المسلم لا ینجس۔ [1]

"سبحان اللہ! بے شک مومن نجس اور ناپاک نہیں ہوتا ہے۔"

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مومن نہ تو اپنی زندگی میں نجس ہوتا ہے اور نہ مرنے کے بعد۔ ارشاد ہے:

المسلم لا ینجس حیا ولا میتا۔ [2]

"مسلم (کبھی) ناپاک نہیں ہوتا ہے۔ نہ تو اس وقت جب کہ وہ زندہ ہوتا ہے اور نہ اس وقت جب وہ انتقال کر جاتا ہے۔"

حضرت سعد بن زیدؓ کا انتقال ہوا تو حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے انھیں غسل دیا اور کفن پہنایا۔ گھر پہنچ کر خود بھی غسل کیا اور فرمایا: میت نجس نہیں ہوتی ہے کہ اسے غسل دینے کی وجہ سے مجھے غسل کرنا پڑا ہو۔ میں نے غسل اس لیے کیا تھا کہ گرمی تھی۔ اگر میت نجس ہوتی تو میں اسے ہاتھ بھی نہ لگاتا۔ [3]

حقیقت یہ ہے کہ مومن کا جسم اصلاً ناپاک یا نجس نہیں، بلکہ پاک اور طاہر ہوتا ہے۔ اگر وقتی اور عارضی طور پر اس کے بدن پر کوئی گندگی پائی جائے تو اس کے دور ہوتے ہی اس کی نجاست ختم ہو جاتی ہے اور وہ پاک ہو جاتا ہے۔ یہ بات جس طرح اس کی زندگی میں صحیح ہے، اسی طرح اس کی موت کے بعد بھی صحیح ہے۔

میت کا احترام کیا جائے

اسلام کے نزدیک میت کی توہین اور بے حرمتی غلط اور ناروا ہے۔ انسان کا جس طرح

[1] بخاری، کتاب الغسل، باب غرق الجنب۔ مسلم، کتاب الحیض، باب الدلیل علی ان المسلم لا ینجس۔
[2] بخاری، کتاب الجنائز، باب غسل المیت ووضوہ۔ یہ روایت مرفوع اور موقوف دونوں طرح سے آئی ہے۔ فتح الباری: ۳/۸۰
[3] بخاری مع فتح الباری: ۳/۸۰

اس کی زندگی میں احترام کیا جاتا ہے، اسی طرح مرنے کے بعد بھی اس کا احترام ہونا چاہیے۔ کسی شخص کو روحانی اور جسمانی تکلیف اور اذیت پہنچانا اخلاقی اور قانونی طور پر ساری دنیا میں بُرا سمجھا جاتا ہے۔ مرنے کے بعد اس کا یہ حق ہے کہ اس کے جسم کو گزند یا نقصان نہ پہنچایا جائے۔

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

کسر عظم المیت ککسرہ حیا۔ [1]

"میت کی ہڈی توڑنا ایسا ہی ہے جیسے کہ زندگی میں اس کی ہڈی توڑی جائے۔"

یہی روایت حضرت ام سلمہؓ سے بھی آئی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

کسر عظم المیت ککسر عظم الحی فی الإثم۔ [2]

"میت کی ہڈی کا توڑنا گناہ کے لحاظ سے ایسا ہی ہے، جیسے زندہ شخص کی ہڈی توڑی جائے۔"

ہڈی توڑنا ایک مثال ہے۔ اس پر دیگر امور کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔ اس کی رو سے بلاوجہ انسان کی نعش کو چاک کرنا، اس کے کسی عضو کو الگ کرنا یا اس پر کسی قسم کا تجربہ کرنا اسلامی نقطۂ نظر سے ناجائز ہوگا۔

میت کو چادر سے ڈھک دینا چاہیے

میت کے احترام ہی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اسے کھلا نہ چھوڑا جائے، بلکہ کسی کپڑے یا چادر سے ڈھک دیا جائے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم حین توفی سجی ببرد حبرۃ۔ [3]

"جب رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی تو آپ کو حبرہ کی چادر سے ڈھک دیا گیا۔"

[1] ابوداؤد، کتاب الجنائز، باب فی الحفار یجد العظم الخ۔ ابن ماجہ، ابواب الجنائز، باب فی النہی عن کسر عظام المیت۔
[2] ابن ماجہ، حوالہ سابق
[3] بخاری، کتاب اللباس، باب البرود والحبرۃ والشملہ۔ مسلم، کتاب الجنائز۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کو کسی کپڑے سے ڈھک دینا مستحب ہے۔ اس پر سب کا اجماع ہے۔[1]

عقیدت اور محبت سے میت کو بوسہ دینا جائز ہے

حضرت عثمان بن مظعونؓ رسول اللہ ﷺ کے رضاعی بھائی تھے۔ مکہ میں اسلام لائے۔ ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ دونوں کی سعادت حاصل کی۔ بدر میں شریک ہوئے۔ مہاجرین میں سب سے پہلے انھیں کا انتقال ہوا تھا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ انتقال کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان کو بوسہ دیا۔ میں نے دیکھا کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔[2]

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کی خبر سن کر حضرت ابوبکرؓ مقام سنح سے، جہاں کہ ان کا مکان تھا، گھوڑے پر سوار ہو کر آئے۔ مسجد میں داخل ہوئے، کسی سے بات کیے بغیر سیدھے میرے حجرے میں داخل ہوئے۔ حضور اکرم ﷺ کے قریب پہنچے۔ جسم مبارک چادر میں لپٹا ہوا تھا۔ چہرہ کھولا۔ جھک کر اس کا بوسہ لیا اور رونے لگے۔[3]

علامہ شوکانیؒ فرماتے ہیں:

"اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تعظیم کے طور پر یا برکت کے لیے میت کا بوسہ لینا جائز ہے۔ صحابہ کرام نے حضرت ابوبکرؓ کے عمل پر اعتراض نہیں کیا۔ اس کا مطلب ہے کہ اس کے جواز پر ان کا اجماع ہو گیا۔"[4]

---

[1] کہا جاتا ہے کہ جن کپڑوں میں آدمی کا انتقال ہوا ہے انھیں اتار کر چادر سے ڈھک دینا چاہیے تاکہ گرمی (یا کپڑوں کی گندگی) کی وجہ سے میت متاثر نہ ہو۔ (شرح مسلم: المجلد الرابع۔ الجزء السابع، ص ۱۰۔ المغنی: ۲/ ۳۱۳۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ میت کے کپڑے اگر صاف ہوں یا موسم ٹھنڈا ہو یا ٹھنڈی جگہ رکھا جا سکے تو کپڑے اتارنے کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف چادر سے ڈھک دینا کافی ہے۔

[2] ترمذی، ابواب الجنائز، باب ماجاء فی تقبیل المیت۔ ابن ماجہ، ابواب الجنائز۔

[3] بخاری، کتاب الجنائز، باب الدخول علی المیت الخ۔

[4] نیل الاوطار، ۴/ ۸۵

تجہیز و تکفین میں جلدی کی جائے

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کی تجہیز و تکفین میں تاخیر نہیں ہونی چاہیے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

أسرعوا بالجنازة فإن تك صالحة فخير تقدمونها وإن يك سوى ذلك فشر تضعونه عن رقابكم۔[1]

"جنازہ کو لے کر جلدی جلدی چلو، اس لیے کہ میت اگر نیک ہو تو اسے انجامِ خیر کی طرف تم (تیزی سے) پہنچا دو گے اور اگر بری ہے تو وہ ایک شر ہے جسے تم اپنی گردنوں پر سے (جلدی سے) اتار دو گے۔"

اس حدیث میں بظاہر جنازہ کو لے کر تیز چلنے کا حکم ہے۔ لیکن اس مفہوم میں یہ بات بھی داخل سمجھی گئی ہے کہ تجہیز و تکفین میں تاخیر نہیں ہونی چاہیے۔[2] حقیقت یہ ہے کہ حدیث میں جنازہ کو لے کر تیز چلنے کی جو علت بیان کی گئی ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ جنازہ کو لے جانے ہی میں نہیں تجہیز و تکفین میں بھی جلدی کی جائے، تاکہ میت نیک ہو تو اپنا انجامِ خیر جلد سے جلد دیکھ سکے اور بُری ہو تو اس سے دوسروں کو عافیت ملے۔

ایک اور حدیث میں اس کی صراحت بھی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا ہے:

إذا مات أحدكم فلا تحبسوه و أسرعوا به إلى قبره۔[3]

"جب تم میں سے کوئی شخص مر جائے تو اسے دیر تک نہ روکے رکھو اور جلدی سے اسے اس کی قبر کی طرف لے چلو۔"

---

[1] بخاری، کتاب الجنائز، باب السرعۃ بالجنازۃ۔ مسلم، کتاب الجنائز

[2] فتح الباری: ۳/ ۱۱۹

[3] رواہ الطبرانی باسناد حسن۔ فتح الباری: ۳/ ۱۱۹

ایک اور حدیث میں ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

یا علی، ثلاث لا تؤخرها: الصلاة إذا آنت، والجنازة إذا حضرت، والایم إذا وجدت لها کفئًا۔[1]

"اے علی! تین باتوں میں تاخیر نہ کرو: نماز میں جب کہ اس کا وقت ہوجائے۔ جنازہ (سے فارغ ہونے) میں جب کہ وہ موجود ہو اور بے شادی شدہ لڑکی کے سلسلے میں جب کہ تمھیں اس کے برابر کا رشتہ مل جائے۔"

حصین بن وحوحؓ کی روایت ہے، اس کی تائید مذکورہ بالا حدیثوں سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا ینبغی لجیفة مسلم أن تحبس بین ظهرانی أهله۔[2]

"کسی مسلمان کی لاش کو اس کے گھر والوں کے درمیان روکے نہیں رکھنا چاہیے۔"

ان احادیث سے صاف اور صریح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ تجہیز و تکفین میں تاخیر ناپسندیدہ ہے۔ اس میں جلدی ہونی چاہیے۔

---

[1] ترمذی، ابواب الصلوٰۃ، باب ماجاء فی اول الوقت من الفضل۔ اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ یہی روایت مسند احمد میں بھی ہے۔ احمد محمد شاکر نے اسے صحیح کہا ہے۔ ۲/ ۱۴۴

[2] ابوداؤد، کتاب الجنائز، باب تعجیل الجنازۃ۔ یہ روایت سنداً کم زور ہے۔ (نیل الاوطار: ۴/ ۵۳)

غسلِ میت

غسلِ میت فرض ہے

کسی بھی مسلمان کے انتقال کے بعد شریعت کی رو سے مسلم معاشرہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کے غسل، تکفین، نماز جنازہ اور تدفین کا انتظام کرے۔ اسے فرض کفایہ کہا گیا ہے۔ چنانچہ فقہ حنبلی کی مشہور کتاب شرح کبیر میں ہے:

غسل المیت ودفنه وتکفینه والصلاة علیه فرض کفایة۔[1]

"میت کو غسل دینا، اسے دفن کرنا، اسے کفن دینا اور اس کے جنازہ کی نماز پڑھنا فرض کفایہ ہے۔"

علامہ ابن ہمامؒ کہتے ہیں:

غسل المیت فرض بالاجماع۔[2]

"غسل میت کے فرض ہونے پر اجماع ہے۔"

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ کے نزدیک غسل میت سنت ہے۔ ایک روایت ان سے یہ بھی ہے کہ وہ سنت مؤکدہ ہے۔ لیکن جمہور نے اسے فرض کفایہ قرار دیا ہے۔

ابن رشد مالکیؒ کہتے ہیں کہ غسل میت کو فرض کفایہ بھی کہا گیا ہے اور سنت کفایہ بھی۔

---

[1] الشرح الکبیر: ۲/ ۳۰۹

[2] فتح القدیر: ۱/ ۴۴۷

فقہ مالکی میں دونوں ہی رائیں پائی جاتی ہیں۔[1]

لیکن فقہ مالکی میں بھی اکثریت کی رائے یہی ہے کہ یہ فرض کفایہ ہے، بلکہ اسی کو ترجیح حاصل ہے۔ چنانچہ اقرب المسالک اور اس کی شرح میں ہے:

غسل الميت... والصلوٰة عليه فرضا كفاية... ككفنه ودفنه فانهافرض كفاية اجماعا۔[2]

"میت کو غسل دینا... اور اس پر نماز پڑھنا دونوں فرض کفایہ ہیں۔... جیسے کہ اسے کفن دینا اور دفن کرنا۔ ان دونوں کے فرض کفایہ ہونے پر تو اجماع ہے۔"

جمہور کی ایک دلیل تو رسول اللہ ﷺ کے ارشادات ہیں، جن میں میت کو غسل دینے کا حکم ہے۔[3] دوسری دلیل امت کا تعامل ہے۔ امت نے (شہداء کے علاوہ) کبھی کسی میت کو غسل دیے بغیر دفن نہیں کیا۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ جیسی طاہر و مطہر ہستی کو غسل دیا گیا تو دوسروں کو غسل دینا بدرجہ اولیٰ واجب ہوگا۔[4]

اس سلسلے میں علامہ زیلعیؒ فرماتے ہیں:

وَقَدْ غُسِّلَ سَيِّدُنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهُوَ أَشْرَفُ الْمَخْلُوقِينَ، وَأَمَرَ بِتَغْسِيلِ ابْنَتِهِ، وَغُسِّلَ أَبُو بَكْرٍ بَعْدَهُ، وَالنَّاسُ يَتَوَارَثُونَ خَلَفًا عَنْ سَلَفٍ، وَلَمْ يُنْقَلْ عَنْ أَحَدٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ أَنَّهُ مَاتَ، فَدُفِنَ مِنْ غَيْرِ غُسْلٍ إِلَّا الشُّهَدَاءَ۔[5]

---

[1] بدایۃ المجتہد: ۱/ ۲۱۸

[2] الشرح الصغیر علی اقرب المسالک: ۱/ ۵۴۲۔ ۵۴۴

[3] اس سلسلے کی روایات کے لیے ملاحظہ ہو نصب الرایۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ: ۲/ ۲۵۵-۲۵۶۔ بعض روایات اسی مضمون میں آ رہی ہیں۔

[4] فتح الباری: ۳/ ۸۱

[5] نصب الرایۃ: ۲/ ۲۵۷

"سیدنا رسول اللہ ﷺ کو غسل دیا گیا، جب کہ آپ ساری مخلوق میں بزرگ و برتر ہیں۔ آپ نے اپنی صاحب زادی کو غسل دینے کا حکم فرمایا، آپ کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کو غسل دیا گیا اور لوگ سلف سے خلف تک اس پر عمل کرتے چلے آئے ہیں۔ مسلمانوں میں سے کسی ایک کے بارے میں بھی نہیں آتا کہ اس کا انتقال ہوا ہو اور اسے غسل دیے بغیر دفن کیا گیا ہو، سوائے شہداء کے۔"

غسل میت کی حکمت

بیماری میں بالعموم پاکی اور صفائی کا اہتمام نہیں ہو پاتا۔ جسم میں میل کچیل جمع ہو جاتا ہے اور بعض اوقات اس کی وجہ سے بدبو پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر بیماری کے بغیر اچانک ہی انتقال ہو جائے تو بھی جاں کنی کی تکلیف میں جسم سے گندگی کے خارج ہونے کا امکان رہتا ہے۔ غسل کا مقصد تطہیر ہے، تاکہ جسم پر گندگی ہو تو دور ہو جائے اور میت پاک صاف ہو کر اپنے رب کے حضور پہنچے۔ میت کو عزت و احترام کے ساتھ رخصت کرنے کا یہ ایک فطری طریقہ بھی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں:

ولا شيء في تكريم الميت مثله۔[1]

"میت کی تعظیم و تکریم میں غسل جیسا کوئی دوسرا عمل نہیں ہے۔"

غسل میت کی بعض تفصیلات

احادیث میں جہاں میت کے غسل کا حکم دیا گیا ہے، وہیں اس کا طریقہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ بعض تفصیلات فقہاء کے ہاں ملتی ہیں۔ ذیل میں اسے ایک خاص ترتیب سے پیش کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ۲/

تخت پر میت کو غسل دیا جائے

میت کو کسی تخت پر غسل دینا چاہیے۔ اس سے غسل دینے اور پانی بہانے میں آسانی ہوتی ہے۔ زمین پر غسل دینے میں میت کے مٹی میں لت پت ہونے کا اندیشہ ہے۔ ابن قدامہ حنبلیؒ فرماتے ہیں:

يستحب ان يغسل الميت على سرير يترك عليه متوجها الى القبلة منحدرا نحو رجليه لينحدرالماء بما يخرج منه ولا يرجع الى جهة رأسه۔[1]

"پسندیدہ یہ ہے کہ میت کو تخت پر غسل دیا جائے۔ قبلہ کی طرف اس کا رخ کر کے اسے لٹا دیا جائے۔ تخت اس کے پیروں کی طرف جھکا ہوا رہے، تاکہ جو پانی یا آلائش نکلے اس کے ساتھ نیچے کی طرف بہہ جائے اور سر کی جانب پلٹ کر نہ جائے۔"

ہدایہ میں ہے:

اذا أرادوا غسله وضعوه على سرير لينصب الماء عنه۔[2]

'جب میت کے غسل کا ارادہ کریں تو اسے تخت پر لٹا دیں، تاکہ اس کے نیچے سے پانی بہہ جائے۔'

تخت کس طرح بچھایا جائے؟ اس کے بارے میں علامہ اکمل الدین بابرتی کہتے ہیں کہ ہمارے علما (احناف) میں سے بعض کی رائے یہ ہے کہ اس کا طول قبلہ کی طرف ہونا چاہیے، تاکہ میت اس طرح لٹائی جائے جیسے کہ انسان بیماری میں اشاروں سے نماز پڑھتے وقت لیٹتا ہے۔ بعض دوسرے حضرات کی رائے یہ ہے کہ تخت کا عرض قبلہ کی طرف ہونا چاہیے۔ جیسے کہ میت کو دفن کرتے وقت ہوتا ہے۔ لیکن شمس الائمہ سرخسیؒ کہتے ہیں:

وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ يُوضَعُ كَيْفَ اتُّفِقَ فَإِنَّهُ يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ

[1] المغنی: ۳۱۹/۲
[2] ہدایہ: ۱۵۰/۱

الْأَمَاكِنِ وَالْمَوَاضِعِ۔[1]

"زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ جیسے مناسب ہو اسے رکھا جا سکتا ہے۔ اس لیے کہ اس میں جگہ اور مقام سے فرق پڑتا ہے۔"

حقیقت یہ ہے کہ جن مسائل میں کتاب وسنت کا کوئی واضح حکم نہ ہو، ان میں اس طرح کی لازماً گنجائش ہونی چاہیے۔ اس سے بہت سی مشکلیں حل ہوتی ہیں اور انسان خواہ مخواہ کی الجھنوں سے بچا رہتا ہے۔

میت کو کس طرح تخت پر لٹایا جائے؟ اس کے بارے میں علامہ اکمل الدین بابرتی فرماتے ہیں:

فَلَيْسَ فِيهِ رِوَايَةٌ، إِلَّا أَنَّ الْعُرْفَ فِيهِ أَنْ يُوضَعَ مُسْتَلْقِيًا عَلَى قَفَاهُ۔[2]

"اس سلسلے میں (متقدمین احناف سے) کوئی روایت منقول نہیں ہے۔ البتہ دستور یہ ہے کہ اسے چت لٹایا جائے۔"

خوشبو کا استعمال

خوشبو کا استعمال مسنون اور مستحب ہے۔ شریعت انسان کے اندر پاکی صفائی کا جو اعلیٰ ذوق پیدا کرنا چاہتی ہے، یہ اسی کا ایک حصہ ہے۔ اس نے میت کے لیے خوشبو کے استعمال کی تعلیم دی ہے۔ چنانچہ حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إذا أجمرتم الميت فأجمروا ثلاثا۔[3]

"جب میت کو خوشبو دو تو تین تین بار دو۔"

[1] العنایۃ علی الہدایۃ علی ہامش فتح القدیر: ۴۴۸/۱
[2] العنایۃ علی الہدایۃ علی ہامش فتح القدیر: ۴۴۸/۱
[3] العنایۃ علی الہدایۃ علی ہامش فتح القدیر: ۴۴۸/۱

فقہا نے تین بار میت کے سلسلے میں خوشبو کے استعمال کا ذکر کیا ہے۔ ایک اس وقت جب کہ روح قبض ہو، تاکہ جو بدبو پھیلے وہ دور ہو سکے، دوسرے غسل کے وقت اور تیسرے اس وقت جب کفن پہنایا جائے۔ البتہ جنازے کے پیچھے عود ان لے کر چلنا یا قبرستان میں اسے خوشبو کے لیے استعمال کرنا صحیح نہیں ہے۔ حدیث میں صراحتاً اس سے منع کیا گیا ہے۔[1]

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خوشبو کا استعمال ہو تو تین مرتبہ ہونا چاہیے۔ اس روایت کے دوسرے الفاظ بتاتے ہیں کہ خوشبو کا استعمال طاق عدد میں ہونا چاہیے۔ وہ الفاظ یہ ہیں:

إذَا أَجْمَرْتُمُ الْمَيِّتَ فَأَوْتِرُوا۔[2]

"جب میت کو خوشبو دو تو اس کی تعداد طاق رکھو۔"

غسل دیتے وقت خوشبو کے استعمال کی صورت یہ بیان کی گئی ہے کہ جس تخت پر میت کو غسل دیا جائے، پہلے اس کے اطراف اگروان یا انگیٹھی میں عود اور لوبان جیسی بخور ڈال کر تین، پانچ یا زیادہ سے زیادہ سات مرتبہ گھما دیا جائے۔ پھر غسل دیا جائے۔[3]

غسل کے وقت میت کی ستر پوشی

میت کو غسل دیتے وقت اسے بالکل برہنہ نہیں کر دینا چاہیے، بلکہ ناف سے گھٹنوں تک کسی کپڑے سے ڈھک دینا چاہیے۔ تاکہ اس کی بے ستری نہ ہو۔ زندہ انسان کے جسم کے جن حصوں کو دیکھنا ممنوع ہے، میت کے بھی ان حصوں کو دیکھنا ناجائز ہے۔ حضرت علیؓ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا تبرز فخذك ولا تنظرن إلى فخذ حي ولا ميت۔[4]

"اپنی ران نہ تو کسی کے سامنے کھولو اور نہ کسی زندہ یا مردہ انسان کی ران تم دیکھو۔"

---

[1] مسند احمد: ۳/۳۳۱

[2] فتح القدیر: ۲/۴۴۹

[3] فتح القدیر: ۲/۴۹۹۔ ردالمحتار علی الدر المختار: ۱/۸۰۰

[4] ابوداؤد، کتاب الجنائز، باب فی ستر المیت عند غسلہ۔ ابن ماجہ، ابواب الجنائز، باب ماجاء فی غسل المیت۔#

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میت کو پتلی سی قمیص میں جس میں کہ پانی آسانی سے بدن تک پہنچ جائے غسل دیا جائے اور قمیص میں ہاتھ ڈال کر بدن ملا جائے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کو قمیص ہی میں غسل دیا گیا تھا۔ لیکن جمہور کے نزدیک آدمی جس طرح زندگی میں ستر چھپانے کے بعد کپڑے اتار کر غسل کرتا ہے، اسی طرح اس کے مرنے کے بعد بھی اس کی ستر پوشی کے بعد کپڑے اتار کر اسے غسل دینا چاہیے۔ یہی فطری طریقہ ہے اور قیاس کا بھی یہی تقاضا ہے۔ عہد رسالت اور صحابہ میں اسی کا رواج تھا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

لما أرادوا غسل النبي صلى الله عليه و سلم قالوا والله ما ندري أنجرد رسول الله صلى الله عليه و سلم من ثيابه كما نجرد موتانا أم نغسله وعليه ثيابه؟ فلما اختلفوا ألقى الله عليهم النوم حتى ما منهم رجل إلا وذقنه في صدره ثم كلمهم مكلم من ناحية البيت لايدرون من هو أن اغسلوا النبي صلى الله عليه وسلم وعليه ثيابه فقاموا إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فغسلوه وعليه قميصه يصبون الماء فوق القميص ويدلكونه بالقميص دون أيديهم۔[1]

"جب صحابہ کرام نے نبی ﷺ کو غسل دینے کا ارادہ کیا تو انھوں نے کہا: خدا کی قسم! ہمیں نہیں معلوم ہے کہ آپ کے کپڑے اتار دیے جائیں، جس طرح ہم اپنے مرنے والوں کے کپڑے انھیں غسل دینے کے لیے اتار دیتے ہیں یا یہ کہ بدن مبارک پر جو کپڑے

ہدایہ میں فقہ حنفی کا صحیح مسلک یہ بتایا گیا ہے کہ صرف شرم گاہ پر کپڑا ڈال دیا جائے تاکہ غسل دینے میں آسانی ہو۔ علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی مذکورہ بالا روایت کی بنا پر امام زیلعی نے کہا ہے کہ صحیح مسلک یہی ہے کہ ناف سے گھٹنوں تک کپڑا پڑا رہے۔ فتح القدیر: ۱/۴۴۸۔ یہی فقہ مالکی کا مسلک ہے۔ (الشرح الصغیر: ۱/۵۴۶) فقہ حنبلی کی کتاب الشرح الکبیر میں ہے: یجب ستر عورۃ المیت بغیر خلاف علمناہ وھو مابین سرتہ الی رکبتہ: ۲/۳۱۵۔

[1] ابوداؤد، کتاب الجنائز، باب فی ستر المیت عند غسلہ۔

ہیں انھیں رہنے دیں اور ان کے اوپر ہی سے غسل دے دیں۔ جب اس پر ان کے درمیان اختلاف ہونے لگا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند طاری کر دی۔ اس کا اس قدر غلبہ ہوا کہ ہر شخص کی ٹھوڑی اس کے سینے سے جا لگی۔ پھر گھر کے گوشہ سے کسی بولنے والے نے جس کے بارے میں انھیں نہیں پتا چلا کہ وہ کون تھا، کہا کہ نبی ﷺ کو اس طرح غسل دو کہ آپ کے کپڑے آپ کے بدن پر ہی رہیں۔ (صحابہ کرام نے اسے ایک غیبی آواز سمجھا) چنانچہ قمیص کے اوپر ہی سے انھوں نے آپ کو غسل دیا۔ اس طرح کہ قمیص پر پانی ڈالتے تھے اور ہاتھ لگائے بغیر قمیص ہی کے اوپر سے بدن مبارک کو ملتے تھے۔"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ صحابہ کرام کا یہی دستور تھا کہ میت کے کپڑے اتار کر اسے غسل دیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع نہیں فرمایا، بلکہ اسے باقی رکھا۔ اس لیے اسی کو سنت کہا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ کا معاملہ آپ کے ساتھ مخصوص سمجھا جائے گا کہ جن کپڑوں میں آپ کا انتقال ہوا، ان ہی میں آپ کو غسل دیا گیا۔

غسل دیتے وقت کپڑے اتارنے کی حکمت یہ ہے کہ اس طرح میت کو آسانی سے اور اچھی طرح سے غسل دیا جا سکتا ہے۔ کپڑوں کے ساتھ غسل دینے میں اس بات کا اندیشہ ہے کہ جاں کنی کی تکلیف سے ان میں جو گندگی ہو جاتی ہے، پانی پڑنے کے بعد وہ مزید پھیلے گی اور میت اس سے آلودہ ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ کا جسد اطہر جس طرح حیات مبارکہ میں پاک صاف رہتا تھا، اسی طرح انتقال کے بعد بھی پاک صاف رہا۔ حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ آپ کو غسل دیتے وقت میں نے سوچا کہ جس طرح میت کو صاف کرنے کی ضرورت پڑتی ہے، ایسی کوئی ضرورت ہو تو میں وہ پوری کر دوں، لیکن میں نے دیکھا کہ جسم مبارک پر گندگی کا نام و نشان نہ تھا۔ اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا:

طبت حيا وطبت ميتا۔[1]

"جب آپ زندہ تھے، تب بھی پاک تھے اور انتقال کے بعد بھی آپ پاک ہی رہے۔"

اس وجہ سے اگر آپ کو کپڑوں میں غسل دیا گیا تو اس پر دوسروں کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔[2]

---

[1] ابن ماجہ، ابواب الجنائز، باب ماجاء فی غسل النبی۔

[2] ملاحظہ ہو فتح القدیر: ۱/ ۴۴۸۔ المغنی لابن قدامہ: ۲/ ۳۱۶

پانی اور بیری کے پتوں کا استعمال

میت کو جس پانی میں غسل دیا جائے، حدیث میں آتا ہے کہ اس میں بیری کے پتے ڈالے جائیں۔ حضرت ام عطیہؓ کی روایت ہے:

دخل علينا رسول الله صلى الله عليه و سلم حين توفيت ابنته فقال اغسلنها ثلاثا أو خمسا أو أكثر من ذلك إن رأيتن ذلك بماء وسدر واجعلن فى الآخرة كافورا أو شيئا من كافور۔[1]

"رسول اللہ ﷺ کی صاحب زادی (حضرت زینبؓ یا حضرت ام کلثومؓ) کا انتقال ہوا تو آپ ہمارے پاس تشریف لائے۔ ارشاد فرمایا: پانی میں بیری ڈال کر اسے تین یا پانچ مرتبہ غسل دو۔ اگر ضرورت سمجھو تو اس سے بھی زیادہ پانی بہا سکتی ہو۔ آخری بار پانی میں کافور ملا لو۔ راوی کا بیان ہے کہ یا یہ آپ نے فرمایا کہ تھوڑا سا کافور ملا لو۔"

حنابلہ اور شوافع وغیرہ کے نزدیک ٹھنڈے پانی سے غسل دینا بہتر ہے۔ اس لیے کہ میت اس سے صحیح حالت میں رہ سکتی ہے۔ گرم پانی سے اس کے جلد خراب ہونے کا اندیشہ ہے۔ بیری کے استعمال کا طریقہ انھوں نے یہ لکھا ہے کہ اسے کوٹ کر باریک کر کے پانی میں خوب ہلایا جائے۔ جب جھاگ نکلنے لگے تو اس سے غسل دیا جائے۔ طویل علالت یا کسی اور وجہ سے میل کچیل زیادہ ہو تو گرم پانی بھی استعمال ہو سکتا ہے۔[2]

---

[1] بخاری، کتاب الجنائز، باب غسل المیت ووضوہ بالماء۔ مسلم، کتاب الجنائز۔ اس حدیث میں میت کو غسل دینے کا حکم ہے، جو فقہا کے نزدیک واجب ہے اور تین، پانچ یا اس سے زیادہ بار پانی بہانے کا بھی حکم ہے۔ یہ مستحب ہے، اس طرح ایک ہی حکم ہے، لیکن اس سے ایک معاملہ میں وجوب اور دوسرے میں استحباب نکلتا ہے۔ ملاحظہ ہو فتح الباری: ۳/ ۸۳-۸۴

[2] المغنی لابن قدامہ اور الشرح الکبیر

فقہ حنفی میں بیری کے استعمال کی صورت یہ بیان کی گئی ہے کہ پانی میں اس کے پتے ڈال کر اسے پکایا جائے اور اسی سے غسل دیا جائے۔ فقہائے احناف کے نزدیک گرم پانی سے غسل دینا پسندیدہ ہے۔ اس لیے کہ اس سے میل کچیل آسانی سے صاف ہوتا ہے اور یہی غسل کا مقصد ہے۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے:

وَيَغْلِي الْمَاءَ بِالسِّدْرِ أَوْ بِالْحَرَضِ مُبَالَغَةً فِي التَّنْظِيفِ۔[1]

"پانی میں بیری کے پتے یا اشنان ڈال کر پکالیا جائے تاکہ خوب اچھی طرح صفائی ہو سکے۔"

فقہ حنفی کی رو سے میل کچیل ہو یا نہ ہو گرم پانی بہرحال بہتر ہے۔ البتہ پانی زیادہ گرم نہیں ہونا چاہیے۔ نیم گرم ہونا چاہیے۔ یہ سمجھ کر کہ جن چیزوں سے زندہ انسان تکلیف محسوس کرتا ہے، ان سے میت کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔[2]

بیری کے پتوں کے استعمال کا جو حکم دیا گیا ہے، اس کی حکمت یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس سے میل کچیل صاف ہوتا ہے۔ چہرہ میں نرمی اور ملائمت پیدا ہوتی ہے اور مکھیاں دور بھاگتی ہیں۔ اسی وجہ سے ان کا سفوف زخموں کے لیے بھی مفید ہے۔ زخم اس سے مندمل ہوتے ہیں۔

بیری یا اس کے پتوں کا استعمال صفائی کے لیے ہوتا ہے۔ اس لیے وہ اگر نہ ہو تو صابن اور اشنان (ایک قسم کی گھاس جو صفائی کے لیے استعمال ہوتی ہے) وغیرہ سے بھی غسل دیا جا سکتا ہے۔ علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

فان لم يجد السدر غسله بما يقوم مقامه ويقرب منه كالخطمى ونحوه لحصول المقصود به، وان غسله بذلك مع وجود السدر جاز لان الشرع ورد بهذا لمعنى معقول وهو التنظيف فيتعدى إلى كل ما وجد فيه المعنى۔[3]

[1] ہدایہ: ۱/

[2] ردالمحتار علی الدر المختار: ۱/ ۸۰۲

[3] المغنی: ۲/ ۳۲۳

"غسل دینے والے کو اگر بیری نہ ملے تو جو چیز اس کے قائم مقام اور اس سے قریب ہو، جیسے خطمی وغیرہ تو اس سے وہ غسل دے گا، بلکہ بیری کے ہوتے ہوئے بھی اگر وہ اس سے غسل دے تو جائز ہے۔ اس لیے کہ شریعت نے بیری کے استعمال کا حکم ایک ایسی وجہ سے دیا ہے، جو سمجھ میں آتی ہے اور وہ ہے پاکی صفائی۔ لہٰذا جن چیزوں سے بھی یہ مقصد حاصل ہو، ان سب تک یہ حکم وسیع ہوگا۔ (سب کا استعمال صحیح ہوگا۔)"

یہی بات فقہ حنفی میں اس طرح سے کہی گئی ہے کہ آسانی سے یہ چیزیں دست یاب نہ ہوں تو صرف پانی سے بھی غسل ہو سکتا ہے۔ اس لیے کہ پاکی صفائی کے لیے پانی ہی اصل ہے۔ چنانچہ تنویر الابصار میں ہے:

ويصب عليه ماء مغلى بسدر) ورق النبق (أو حرض) بضم فسكون الاشنان (إن تيسر، وإلا فماء خالص۔)[1]

"بیری کے پتے یا اشنان (ایک قسم کی گھاس) ڈال کر جس پانی کو پکالیا جائے وہ میت پر بہایا جائے گا۔ بشرطیکہ آسانی سے مل جائیں۔ ورنہ خالص پانی بھی کافی ہے۔"

ہدایہ میں ہے:

فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فَالْمَاءُ الْقَرَاحُ لِحُصُولِ أَصْلِ الْمَقْصُودِ۔[2]

"اگر بیری یا اشنان نہ ہو تو خالص پانی سے غسل دیا جائے گا۔ اس لیے کہ اس سے بھی اصل مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔"

فقہ مالکی میں ہے:

نُدِبَ سِدْرٌ لِإِزَالَةِ الْوَسَخِ فَإِنْ لَمْ يُوجَدْ سِدْرٌ (فَكَصَابُونٍ) أَيِّ صَابُونٍ أَوْ نَحْوِهِ مِنْ أُشْنَانٍ أَوْ غَاسُولٍ يَعْرُكُ بِهِ جَسَدَهُ، ثُمَّ يُفِيضُ عَلَيْهِ الْمَاءَ لِلتَّنْظِيفِ۔[3]

[1] درالمختار: ۱/ ۸۰۱-۸۰۲

[2] ہدایہ: ۱/

[3] الشرح الصغیر علی اقرب المسالک: ۱/ ۵۴۶-۵۴۷

"میل دور کرنے کے لیے بیری کا استعمال مندوب ہے... اگر بیری نہ ملے تو صابون یا غاسول (ایک قسم کی گھاس) جیسی کوئی چیز استعمال کی جائے۔ اس سے میت کا جسم ملا جائے گا اور پاکی کے لیے پانی بہایا جائے گا۔"

حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کے مسائل میں جیسا کہ فقہا نے صراحت کی ہے، شریعت نے بڑی گنجائش رکھی ہے۔ اس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان مسائل کی نوعیت اس طرح کی بندشوں کی ہرگز نہیں ہے، جو دنیا کے بہت سے مذاہب میں موت وزیست دونوں کے سلسلے میں پائی جاتی ہیں۔ ہاں اگر ان کو وہ اہمیت دی جانے لگے، جو خود شریعت نے نہیں دی ہے یا ان پر اصرار ہونے لگے تو آہستہ آہستہ ان کی حیثیت ان رسوم کی سی ہو جاتی ہے، جن کی ادائیگی ہر حال میں لازم قرار پاتی ہے۔ اس سے احتراز کرنا چاہیے۔

تعزیت کی فضیلت

مصیبت زدہ شخص کو تسلی وتشفی دینا اور صبر وثبات کی تلقین کرنا ایک اخلاقی فرض ہے۔ اس سے اس کا بوجھ ہلکا ہوتا ہے، وہ محسوس کرتا ہے کہ دوسرے بھی اس کے غم میں شریک ہیں اور اس کے ساتھ ہم دردی رکھتے ہیں۔ احادیث میں اس کی بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے اور اس پر بہترین اجر وثواب کی بشارت دی گئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من عزى مصابا فله مثل أجره۔ [1]

"جس نے کسی مصیبت زدہ کی تعزیت کی تو اسے بھی مصیبت زدہ کا سارا اجر ملے گا۔"

حضرت ابو برزہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من عزّى ثكلى كُسِيَ بُرْداً في الجنة۔ [2]

---

[1] ترمذی، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی اجر من عزی مصابا۔ ابن ماجہ ابواب الجنائز باب ماجاء فی ثواب من عزی مصابا۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایت علی بن عاصم سے مروی ہے اور وہ ضعیف ہیں۔ یہ ایک دوسرے راوی محمد بن سوقہ سے بھی آئی ہے، لیکن وہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے۔ ظاہر ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ قول مرفوع کی حکم میں سمجھا جائے گا۔ اس کی تائید ابن ماجہ کی ایک صحیح روایت سے بھی ہوتی ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ملا علی قاری، مرقاۃ المفاتیح: ۴/۲۲۱-۲۲۴

[2] ترمذی، کتاب الجنائز، باب فی فضل التعزیۃ۔ اس کی سند کم زور ہے۔ حدیث میں لفظ 'ثکلیٰ' آیا ہے، جو اس عورت کے لیے استعمال ہوتا ہے، جس کے بچے زندہ نہ رہتے ہوں۔

"جس نے کسی عورت کی اس کی اولاد کے انتقال پر تعزیت کی تو اسے جنت میں چادر (خلعت) پہنائی جائے گی۔"

ایک اور روایت میں آتا ہے:

ما من مؤمن يعزى أخاه بمصيبة إلا كساه الله سبحانه من حلل الكرامة يوم القيامة۔[1]

"جو مومن اپنے بھائی کی کسی مصیبت پر تعزیت کرے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ضرور اسے عزت کا جوڑا پہنائے گا۔"

تعزیت سے متعلق بعض روایات کی سندیں کچھ زیادہ قوی نہیں ہیں، لیکن اسلام نے ہم دردی اور خیر خواہی کی جو تعلیم دی ہے، اس سے ان کی تائید ہوتی ہے۔

مصائب و آلام کی بہت سی شکلیں ہیں۔ ان میں تعزیت اور ہم دردی کے اظہار کی نوعیت بھی مختلف ہوتی ہے۔ حالات کے لحاظ سے آدمی خود ہی اس کا فیصلہ کر سکتا ہے۔

---

[1] ابن ماجہ، کتاب الجنائز۔